دعاء افتتاح میں ''ثناء'' پڑھنا مسنون ہے ★ قیام میں دونوں پیروں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیئے؟

ابوعبیدہؒ (المتوفی ۸۰ ہجری) کا اپنے والد عبداللہ ابن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے سماع ثابت ہے۔

ALIJMA
FOUNDATION

ناشر: الاجماع فاؤنڈیشن

# فہرست مضامین



**نوٹ:**

حضرات! ہم نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ اس رسالہ میں کتابت (ٹائپنگ) کی کوئی غلطی نہ ہو، مگر بشریت کے تحت کوئی غلطی ہو جانا امکان سے باہر نہیں۔

اس لئے آنحضرات سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ کتابت کی کسی غلطی پر مطلع ہوں تو اسے دامن عفو میں چھپانے کی بجائے ادارہ کو مطلع فرمادیں، تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔ جزاکم اللہ خیراً

## ہمارا نظریہ

ہمیں کسی سے عناد و دشمنی نہیں ہے۔ حدیث میں نماز کے سلسلے میں متعدد روایتیں آئی ہیں۔ایک پر آگر غیر مقلدین عمل کرتے ہیں تو ان سے کیوں لڑا جائے، جب کہ وہ بھی حدیث میں آیا ہے۔ لیکن جب وہ حنفیوں کو طعنہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث پر عمل نہیں کرتے قیاس پر عمل پیرا ہیں،

تو اس وقت سوچو! کیسے خاموش رہا جائے اور یہ کیوں نہ بتایا جائے کہ **حدیث پر تم سے زیادہ عمل کرنے والے ہم ہیں،اور تم زیادہ حدیث جاننے والے ہم ہیں۔**

**محدث ابو المآثر حبیب الرحمٰن اعظمی** علیہ الرحمہ

## بادلِ ناخواستہ

انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ فرقہ اہل حدیث اور دوسرے باطل فرقے اپنی تعلیمات اپنے سننے والوں میں بیان کرنے کی بجائے ہمیشہ دوسروں پر ،اکثر غیر مناسب انداز میں اعتراض کرنے کو ترجیح دیتا ہے اور اہل حق علماء کو گمراہ اور کافر کہنے تک سے گریز نہیں کرتے، جس سے فتنہ برپا ہوتا ہے۔

ان لوگوں کے اس فتنے کو بند باندھنے کیلئے بادل ناخواستہ قلم اٹھانا پڑتا ہے ،ورنہ ملکی اور عالمی حالات اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی صلاحتیں کہیں اور صرف ہوں۔

**ادارہ:** الاجماع فاؤنڈیشن

# دعائے استفتاح صلاۃ میں "ثناء" پڑھنا مسنون ہے۔

-مفتی ابن اسماعیل المدنی

نبی اکرم ﷺ سے تکبیر تحریمہ کے بعد مختلف دعائیں پڑھنا منقول ہے، جن میں سے ایک مشہور دعاء یہ ہے:

**سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك۔**

**نوٹ:**

مسائل نماز سے متعلق، اردو کتابوں میں اس دعائے ماثورہ کو "ثناء" کا نام دیا جاتا ہے، اختصار کے پیش نظر، آگے اس مضمون میں بار بار پوری دعا نقل کرنے کے بجائے، ہم صرف "ثنا" لکھا کریں گے۔

جمہور علماء کرام کے نزدیک استفتاح صلاۃ کے موقع پر یہی دعاء پڑھنا مختار وپسندیدہ ہے۔

امام ترمذیؒ (م۲۷۹ھ) فرماتے ہیں:

**وأما أكثر أهل العلم، فقالوا: إنما يروى عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يقول: سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك وهكذا روي عن عمر بن الخطاب وعبد الله بن مسعود والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم من التابعين وغيرهم۔**

اکثر اہل علم کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ سبحانک اللہ الخ یعنی "ثناء" پڑھتے تھے، اسی طرح حضرت عمرؓ وحضرت ابن مسعودؓ سے بھی مروی ہے، تابعین وغیر تابعین میں سے اکثر اہل علم کا عمل اسی پر ہے۔ **(سنن ترمذی: حدیث ۲۴۲)**

عرب عالم **شیخ محمد نعیم ساعي** کہتے ہیں:

**مسألة (۲۱۴) جمهور أهل العلم على أن المستحب في دعاء الاستفتاح هو "سبحانك اللهم وبحمدك، وتبارك اسمك وتعالى جَدُّك ولا إله غيرك". وبه قال عمر بن الخطاب وعبد الله بن مسعود والثوري وإسحاق وأبو حنيفة وأصحابه.**

**قلت: وهو مذهب أحمد - رحمه الله - تعالى.**

مسئلہ نمبر (۲۱۴) جمہور اہل علم کے نزدیک دعائے استفتاح میں ثنا پڑھنا مستحب ہے، یہی حضرت عمر بن الخطابؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، سفیان ثوریؒ، اسحاق بن راھویہؒ، ابو حنیفہؒ اور آپ کے شاگردوں کا بھی قول ہے۔

میں کہتا ہوں یہی امام احمدؒ کا بھی مذہب ہے۔ **(موسوعۃ مسائل الجمہور فی الفقہ الاسلامی: ۱/۱۵۴، مسئلۃ: ۲۱۴)**

دعائے استفتاح صلاۃ میں "ثنا" پڑھنے کے دلائل درجِ ذیل ہیں:

## دلیل نمبر ۱:

## قرآن کریم سے دلیل:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

**"وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ"**

اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کیجئے جب آپ کھڑے ہوں۔ **(سورہ طور: ۴۸)**

امام ابن کثیرؒ **(م ۷۷۴ھ)** اور دوسرے مفسرین نے اس کی تفسیر میں کئی اقوال نقل کئے ہیں، جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ: جب آپ نماز کیلئے کھڑے ہوں تو "ثناء" پڑھیے۔

یہ تفسیر امام ضحاک بن مزاحم الہلالیؒ **(م ۱۰۶ھ)**، امام ربیع بن انس البکریؒ **(م ۱۴۰ھ)** اور عبد الرحمن بن زید بن اسلمؒ **(م ۱۸۲ھ)** وغیرہ مفسرین سے منقول ہے، امام عز بن عبد السلامؒ **(م ۶۶۰ھ)**، امام حافظ الدین نسفیؒ **(م ۷۱۰ھ)** نے بھی یہی تفسیر فرمائی ہے۔

امام ابن کثیرؒ **(م ۷۷۴ھ)** فرماتے ہیں:

**وقوله تعالى: وسبح بحمد ربك حين تقوم قال الضحاك: أي إلى الصلاة. سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك. وقد روي مثله عن الربيع بن أنس وعبد الرحمن بن زيد بن أسلم وغيرهما۔**

**(تفسیر ابن کثیر: ۷/۴۰۷،العلمیۃ)(الدر المنثور: ۷/۶۳۷)(تفسیر القرآن الکریم للمقدم: ۱۰/۱۴۴)(مصنف ابن ابی شیبۃ: ۲۴۱۷)(تفسیر العز بن عبد السلام: ج۳: ص ۲۴۱)(تفسیر النسفی: ج۳: ص ۳۸۸) وغیرھم۔**[1]

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ کی سند یوں ہے:

**حدثنا أبو بکر قال: نا ھشیم قال: أنا جویبر عن الضحاک في قولہ: {وسبح بحمد ربک حین تقوم} قال: حین تقوم إلی الصلاۃ تقول ھؤلاء الکلمات: سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا إلہ غیرک۔(مصنف ابن ابی شیبۃ: حدیث نمبر ۲۴۱۷)**

اس کی سند میں امام ضحاکؒ اور جویبر پر کلام کیا گیا ہے، مگر ضحاکؒ (م۱۰۶ھ) جمہور کے نزدیک صدوق اور حسن الحدیث ہیں۔ **(تقریب: رقم ۲۹۷۸،الکاشف)**

اسی طرح عبد الرحمن بن زید بن اسلمؒ انہوں نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر فرمائی ہے، ان کی بھی تضعیف کی گئی ہے۔ **(تقریب: ۳۸۶۵)**

**ایک اہم اصول:**

امام یحییٰ بن سعید القطانؒ (م۱۹۸ھ) فرماتے ہیں:

**تساھلوا في أخذ التفسیر عن قوم لا یوثقونھم في الحدیث. ثم ذکر الضحاک وجویبرا ومحمد بن السائب. وقال: ھؤلاء لا یحمل حدیثھم، ویکتب التفسیر عنھم۔**

علماء نے ایسے کئی لوگوں سے تفسیر نقل کرنے میں نرمی برتی ہے، جن کو وہ حدیث میں ثقہ نہیں مانتے، پھر ضحاکؒ، جویبرؒ، اور محمد بن السائب کا نام ذکر کیا، اور کہا ان سے حدیث نہیں لی جائے گی، البتہ ان سے تفسیر لکھی جائے گی۔ **(تہذیب التہذیب: ۲/۱۲۴)**

امام خطیب بغدادیؒ (م۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

**أن العلماء قد احتجوا في التفسیر بقوم لم یحتجوا بھم في مسند الأحادیث المتعلقۃ بالأحکام وذلک لسوء حفظھم الحدیث وشغلھم بالتفسیر فھم بمثابۃ عاصم بن أبي النجود حیث احتج بہ في القراءات دون الأحادیث المسندات لغلبۃ علم القرآن علیہ فصرف عنایتہ إلیہ۔**

یقیناً علماء نے تفسیر میں ایسے لوگوں سے حجت پکڑی ہے، جن کی حفظِ حدیث کی کمزوری اور تفسیر میں مشغولی کی وجہ سے، احکام سے متعلق ان کی احادیث مسندہ سے احتجاج نہیں کیا، پس وہ عاصم بن ابی النجودؒ کی طرح ہیں، جن کا قول، قراءات میں تو حجت ہے، لیکن احادیث مرفوعہ میں نہیں، اس لئے کہ ان پر علم قرآن کا غلبہ تھا، پس انہوں نے اپنی ساری توجہ اسی جانب مرکوز کی ہوئی تھی۔ **(الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع: ۲/۱۹۴، حدیث ۱۵۸۷)**

## دلیل نمبر ۲ :

### احادیث سے دلائل:

حضرت نبی اکرم ﷺ اور کئی صحابہ کرامؓ سے، نماز کے شروع میں اس دعاء کو پڑھنا ثابت ہے:

امام ابو الحسن الدار قطنیؒ (م۳۸۵؁ھ) کہتے ہیں:

**حدثنا محمد بن نوح الجنديسابوري, ثنا هارون بن إسحاق, ثنا ابن فضيل, و حفص بن غياث, عن الأعمش, عن إبراهيم, عن الأسود قال: كان عمر رضي الله عنه إذا افتتح الصلاة, قال: سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك يسمعنا ذلك ويعلمنا۔**

حضرت اسودؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نماز کے شروع میں ثناء پڑھتے تھے، ہمیں سناتے اور سکھاتے تھے۔ **(سنن دار قطنی: ج۲: ص۶۵، حدیث نمبر ۱۱۵۳، ولفظہ لہ، مسلم: ۳۹۹، مصنف عبد الرزاق: ۲/۷۵، رقم ۲۵۵۷)**

### سند کی تحقیق:

(۱) امام ابو الحسن الدار قطنیؒ (م۳۸۵؁ھ) مشہور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(تاریخ الاسلام)**

(۲) محمد بن نوح الجنديسابوري الفارسیؒ (م۳۲۱؁ھ) **الامام، الحافظ، الثبت۔ (سیر: جلد۱۵: صفحہ ۳۴، رقم ۱۸)**

(۳) **هارون بن إسحاق الهمدانیؒ (م۲۵۸؁ھ): صدوق۔ (تقریب: رقم ۷۲۲۱) وقال الذهبی رحمہ اللہ: حافظ ثقة، متعبد۔ (الکاشف)**

---

لہذا مصنف والی سند مقبول ہے۔

مزید تفصیل کیلئے دیکھئے:

سلفی عالم شیخ خالد بن عبد العزیز الباتلی کی تفسیر۔ **(التفسیر النبوی: ۱/۱۱۳)**

سلفی عالم و مفسر شیخ مساعد الطیار کا محاضرہ۔ **(لقاءات ملتقی اھل الحدیث بالعلماء: ۱۳/۶)**

(۴) محمد بن فضیل بن غزوانؒ (م ۱۹۵؁ھ): صدوق، عارف۔ (تقریب: ۶۲۲۷)، وقال الذهبي رحمه الله: ثقه شيعي۔ (الكاشف)

(۵) حفص بن غیاث: ثقة، فقيه، تغير حفظه قليلا في الآخر۔ (تقریب: ۱۴۳۰)

(۶) أما الأعمشؒ (م ۱۴۸؁ھ)

(۷) و إبراهيم بن يزيد النخعيؒ (م ۹۶؁ھ)

(۸) و الأسود بن يزيد النخعيؒ (م ۷۵؁ھ) فائمة ثقات مشهورون۔ دیکھئے: (التقریب لابن حجر، الکاشف للذہبی)[2]

(۹) عمر بن خطابؓ (م ۲۲؁ھ) مشہور صحابی رسول، امیر المومنین اور خلفاء راشدین میں سے ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ (م ۷۷۴؁ھ) نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (مسند الفاروق: ج ۱: ص ۱۶۷)

اس سے عمرؓ کا نماز کے شروع میں اس دعا کے پڑھنے اور اس کے سکھانے کے اہتمام کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت عمرؓ اسے تعلیم دینے کی غرض سے باآواز بلند پڑھتے، جیسا کہ سنن دار قطنی کی روایت گزر چکی۔

## حضرت عمرؓ کا یہ اثر حکماً مرفوع ہے:[3]

غیر مقلد عالم و محدث شیخ البانیؒ لکھتے ہیں:

**ولقد بلغ اهتمام عمر الفاروق بإذاعة هذا الحديث وتبليغه إلى الناس إلى درجة أنه كان يرفع صوته بما فيه ليتعلمه الناس ۔۔۔۔ وهو يعلم أن السنة الإسرار بدعاء الاستفتاح حرصا منه على تعليمهم۔**

---

[2] یاد رہے کہ امام اعمشؒ (م ۱۴۸؁ھ) کی عنعنہ والی روایت مقبول ہے۔ (الاجماع: ش ۳: ص ۲۳۸)، اور امام ابراہیم النخعیؒ (م ۹۶؁ھ) کی عنعنہ بھی صحت حدیث کے منافی نہیں ہے۔ (الاجماع: ش ۳: ص ۲۵۴)

[3] نیز اس بات کی تائید المعجم الاوسط للطبرانی کی روایت **"وكان عمر بن الخطاب يفعل ذلك وكان عمر يعلمنا ويقول: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقوله"** سے بھی ہوتی ہے۔ (ج ۱: ص ۳۰۵، حدیث نمبر ۱۰۲۶، واسنادہ لین)

عمر فاروقؓ کو اس حدیث کی اشاعت اور لوگوں تک اسے پہنچانے کا اس درجہ اہتمام تھا کہ اس میں ذکر کردہ دعا کو بآواز بلند پڑھتے، تا کہ لوگ اسے سیکھ لیں، حالانکہ آپؓ جانتے تھے کہ دعاء استفتاح کو پست آواز سے پڑھنا سنت ہے، (لیکن) لوگوں کو تعلیم دینے کی حرص میں (آپ اسے زور سے پڑھتے)۔ **(سلسلہ صحیحہ: ۶/۱۲۵۷، رقم ۲۹۹۶)**

سلفی عالم شیخ ابو عبد الرحمن عبیلانؒ کہتے ہیں:

**قال شيخ الإسلام رحمه الله: وأيضا، فقد كان عمر رضي الله عنه يجهر بسبحانك اللهم وبحمدك، يعلمها الناس، ولولا أن النبي - صلى الله عليه وسلم - كان يقولها في الفريضة، ما فعل ذلك عمر، وأقره المسلمون.**

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) نے کہا:

اور یہ بھی کہ، حضرت عمرؓ ثنا زور سے پڑھتے تھے، لوگوں کو اس کی تعلیم دیتے، اگر نبی اکرم ﷺ اس دعا کو فرض نمازوں میں نہ پڑھا کرتے، تو حضرت عمرؓ اس دعا کو بآواز بلند نہ پڑھتے اور نہ مسلمان (صحابہ کرام و تابعین عظام) انہیں اس پر باقی رکھتے۔ **(مجموع الفتاویٰ: ۲۲/۳۴۴، رد الجمیل عن إرواء الغلیل: صفحہ ۲۳۰)**

اس سے معلوم ہوا کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک، فرض نمازوں میں ثنا پڑھنا، نبی اکرم ﷺ کی عادت مستمرۃ تھی۔

## دلیل نمبر ۳:

امام ابو القاسم الطبرانیؒ (م ۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

**حدثنا محمود بن محمد الواسطي، ثنا زكريا بن يحيى زحمويه، ثنا الفضل بن موسى السيناني، عن حميد الطويل، عن أنس بن مالك، رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا استفتح الصلاة قال: سبحانك اللهم وبحمدك، وتبارك اسمك، وتعالى جدك، ولا إله غيرك.**

خادم رسول اللہ ﷺ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو "ثناء" پڑھتے۔ **(الدعاء الطبرانی: صفحہ ۱۷۳، رقم الحدیث ۵۰۶)**

**سند کی تفصیل:**

(۱) امام ابو القاسم الطبرانیؒ (م ۳۶۰ھ) مشہور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(تاریخ الاسلام)**

(۲) محمود بن محمد الواسطيؒ (م ۳۰۷ھ) بھی ثقہ ہیں۔ **(الدلیل المغنی: صفحہ ۴۵۱، رقم الترجمہ: ۵۰۰)**

(۳) **زکریا بن یحیی زحمویہ**ؒ (م ۲۳۵ھ) بھی ثقہ راوی ہیں۔ **(الکامل فی الضعفاء: ۳۰۵/۲، ترجمۃ ثابت بن موسیٰ الکوفی: رقم الترجمۃ ۳۰۷۔ وایضاً: ۵۶۸/۷، ترجمۃ ابی الحسن الباھلی المؤدب، رقم: ۱۷۹۲، ذیل میزان الاعتدال: صفحہ ۱۰۷، رقم الترجمہ ۳۹۱، لسان ۴۸۴/۲، ترجمۃ زکریا الملقب بخراب، مصباح الاریب: ۴۶۵/۱، رقم ۹۹۳۸، کتاب الثقات للقاسم: ج۴: ص ۳۲۹)**

(۴) الفضل بن موسی **السیناني** المروزیؒ (م ۱۹۲ھ) صحیحین کے راوی اور **ثقة**، ثبت ہیں۔ **(تقریب: ۵۴۱۹)**

(۵) حمید الطویل البصریؒ (م ۱۴۳ھ) بھی صحیحین کے راوی اور **ثقة**، مدلس ہیں۔ **(تقریب: ۱۵۴۴)**[4]

(۶) انس بن مالکؓ (م ۹۳ھ) مشہور صحابی رسول ہیں۔

لہذا یہ سند صحیح ہے۔[5]

---

[4] اس روایت میں حمید الطویل البصریؒ (م ۱۴۳ھ) پر تدلیس کا الزام مردود ہے، کیونکہ ان کے متابع میں عائذ بن شریحؒ موجود ہیں، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

[5] عصر حاضر کے بعض علماء نے یہ اعتراض کیا ہے کہ فضل سینانیؒ کا حمید الطویلؒ سے لقاء ثابت نہیں، اسی وجہ سے امام حمید الطویلؒ کے شاگردوں میں فضل سینانیؒ کا اور فضل سینانیؒ کے اساتذہ میں حمید الطویلؒ کا تذکرہ موجود نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ:

(۱) اس سند میں الفضل بن موسیٰ السینانیؒ تک تمام رواۃ، ثقہ، اور غیر مدلس ہیں، لہذا ان تک سند صحیح و متصل ہے۔

(۲) الفضل بن موسی **السيناني** المروزیؒ کی پیدائش (م ۱۱۵ھ) اور وفات (م ۱۹۲ھ) میں ہے، جب کہ حمید الطویل البصریؒ کی پیدائش (م ۶۸ھ) میں اور وفات (م ۱۴۳ھ) ہے، یعنی حمیدؒ کی وفات کے وقت سینانیؒ کی عمر ۲۸ سال تھی۔

لہذا یہاں امکانِ لقاء موجود ہے۔

## دلیل نمبر ۴ :

امام ابو یعلی موصلیؒ (م ۳۰۷؁ھ) فرماتے ہیں:

**حدثنا الحسين بن الأسود، حدثني محمد بن الصلت، حدثنا أبو خالد الأحمر، عن حميد، عن أنس قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا افتتح الصلاة كبر ورفع يديه حتى يحاذي بإبهاميه أذنيه، ثم يقول: سبحانك اللهم وبحمدك، وتبارك اسمك، وتعالى جدك، ولا إله غيرك۔**

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو تکبیر کہتے اور ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ آپ کے دونوں انگوٹھے کانوں کے برابر ہو جاتے، پھر ثنا پڑھتے۔

### سند کی تحقیق:

(۱) امام ابو یعلی موصولیؒ (م ۳۰۷؁ھ) مشہور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(کتاب الثقات للقاسم: ج ۱: ص ۴۳۰)**

---

پھر سینانیؒ کے اکثر اساتذہ صغارِ تابعین کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، میزان میں ہے: **أحد العلماء الثقات يروي عن صغار التابعين**، علماء ثقات میں سے ہیں، صغارِ تابعین سے روایت کرتے ہیں۔ **(میزان الاعتدال: جلد ۳: صفحہ ۳۶۰، رقم: ۶۷۵۴)**

اور امام حمیدؒ بھی صغارِ تابعین کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ **(تقریب: ۱۵۴۴)**

(۳) نیز "**الفضل بن موسى السيناني، عن حميد**" کی سند کے متابع میں ۲، ۲ راوی ابو خالد الاحمرؒ اور مخلد بن یزید القرشی ابو یحییٰ موجود ہیں۔، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ لہذا یہ اعتراض باطل و مردود ہے۔

#### شیخ البانیؒ کا اعتراف:

اور غیر مقلد عالم و محدث شیخ البانیؒ حضرت انسؓ کی اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں "**فللحديث اصل أصيل عن أنس بن مالك ﷺ**" یعنی حضرت انسؓ سے اس حدیث کی مضبوط اصل موجود ہے۔ **(ارواء الغليل: جلد ۲: صفحہ ۵۳، ۳۴۱)**

(۲) الحسین بن علی بن الاسود، ابو عبد اللہ العجلیؒ (م ۲۵۴؁ھ) صدوق ہیں۔

امام ابو حاتمؒ نے ان کو صدوق کہا اور ان سے روایت لی ہے، اسی طرح امام ابن الجوزیؒ، امام ابن عبد الہادیؒ، امام موفق الدین ابن قوامہؒ نے ان ثقہ قرار دیا ہے، ابن حبانؒ نے ثقات میں شمار کیا اور کہا وہ کبھی کبھی غلطی کرتے تھے، اور ان سے اپنی صحیح میں روایت بھی نقل کی ہے، اسی طرح کبار محدثین مثلاً امام ابو داودؒ، امام بقی بن مخلدؒ وغیرہ حضرت الحسینؒ سے روایت لی ہے، اورامام ابو داودؒ، امام بقی بن مخلدؒ اپنے نزدیک صرف ثقہ سے روایت لیتے ہیں، جیسا کہ غیر مقلدین کا اصول ہے۔ **(اتحاف النبیل: ج ۲: ص ۱۲۷، ۹۲، من لا یروی الا عن ثقۃ لابی عمرو الوصابی: ص ۲۲۶، ۲۴۷)** محمد بن عبد اللہ بن نمیرؒ کہتے ہیں کہ مجھے امید ہے کہ وہ صدوق ہیں، امام دار قطنیؒ نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے۔ **(التَّراجِمُ السَّاقِطَةُ مِنْ كِتَابِ إِكْمَالِ تَهْذِيبِ الكَمَالِ لمُغْلَطَاي : ص ۱۵۳، التذييل علي كتب الجرح والتعديل: ص ۷۸، شرح ابن ماجہ للمغلطائی: ص ۱۳۶۵، تنقیح التحقیق لابن عبد الھادی: ج ۲: ص ۱۵۲، شرح ابو داود للعینی: ج ۳: ص ۱۳۹، عمدۃ القاری: ج ۵: ص ۲۹۶، نخب الافکار: ج ۳: ص ۵۳۰)**

امام ابن تیمیہؒ نے اس سند کو مضبوط اور امام مغلطائی نے صحیح کہا ہے۔ **(شرح عمدہ لابن تیمیہ: صفۃ الصلاۃ: ص ۸۰، شرح ابن ماجہ للمغلطائی: ص ۱۳۶۵)** یعنی حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ مغلطائی کے نزدیک بھی الحسین بن علی بن الاسود، ابو عبد اللہ العجلیؒ (م ۲۵۴؁ھ) ثقہ ہیں، جیسا کہ غیر مقلدین کا اصول ہے۔ **(الاجماع: ش ۴: ص ۲)**

لہذا الحسین بن علی بن الاسود، ابو عبد اللہ العجلیؒ (م ۲۵۴؁ھ) صدوق اور حسن الحدیث ہیں۔ واللہ اعلم

(۳) محمد بن الصلت الاسدیؒ (م ۲۲۰؁ھ) صحیح بخاری کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۵۹۷۰)**

(۴) ابو خالد احمرؒ (م ۱۹۰؁ھ) صحیحین کے راوی، صدوق و حسن الحدیث ہیں۔ **(تحریر تقریب التہذیب: ج ۲: ص ۶۵)**[6]

(۵) حمید الطویل البصریؒ (م ۱۴۳؁ھ) کی توثیق گزر چکی۔

(۶) انس بن مالکؓ (م ۹۳؁ھ) مشہور صحابی رسول ہیں۔

---

[6] معلوم ہوا کہ دلیل نمبر ۳ کی روایت میں حمید الطویل سے روایت کرنے میں **الفضل بن موسی السيناني** منفرد نہیں ہے، بلکہ صدوق امام، ابو خالد الاحمرؒ (م ۱۹۰؁ھ) ان کے متابع میں موجود ہیں۔ لہذا "**الفضل بن موسى السيناني، عن حميد**" کی سند کو منقطع کہنا باطل ہے۔

لہذا یہ سند حسن ہے، امام ابن تیمیہؒ نے اس سند کو مضبوط اور امام مغلطائی نے صحیح کہا، جیسا کہ حوالے گزر چکے۔

## دلیل نمبر ۵ :

امام ابو القاسم الطبرانیؒ (م ۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

**حدثنا أبو عقيل أنس بن سلم الخولاني، ثنا أبو الأصبغ عبد العزيز بن يحيى الحراني، ثنا مخلد بن يزيد، عن عائذ بن شريح، عن أنس بن مالك، رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا استفتح الصلاة يكبر ثم يقول سبحانك اللهم وبحمدك، وتبارك اسمك، وتعالى جدك، ولا إله غيرك**

**۔(الدعاء للطبرانی: حدیث نمبر ۵۰۵، واللفظ لہ، المعجم الاوسط للطبرانی: ج ۳: ص ۲۴۲، حدیث نمبر ۳۰۳۹)**

**اس سند کی تفصیل:**

(۱) امام ابو القاسم الطبرانیؒ (م ۳۶۰ھ) کی توثیق گزر چکی۔

(۲) **أبو عقيل أنس بن سلم الخولاني** صدوق راوی ہیں۔(**إرشاد القاصي والداني إلى تراجم شيوخ الطبراني** : ص ۲۱۹، رقم ۲۹۱)

(۳) **أبو الأصبغ عبد العزيز بن يحيى الحرانی**ؒ (م ۲۳۵ھ) سنن ابو داود اور سنن نسائی کے راوی اور صدوق ہیں۔ **(قال ابن حجر: صدوق ربما وهم تقريب: ۴۱۳۰، وقال الذهبیؒ: ثقة، الكاشف)**

(۴) مخلد بن یزید القرشی ابو یحییٰؒ (م ۱۹۳ھ) صحیحین کے راوی اور صدوق ہیں۔ **(قال ابن حجر: صدوق له أوهام تقريب: ۶۵۴۰، وقال الذهبیؒ: ثقة، الكاشف)**

(۵) عائذ بن شریح، امام ابن عدیؒ کے نزدیک صدوق یا ثقہ ہیں۔ **(الکامل: ج ۱: ص ۹۰)** جیسا کہ غیر مقلدین کا اصول ہے۔ **(انوار البدر: ص ۲۲۴)**

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

**قال أبو حاتم: في حديثه ضعف، قلت: ماهو بحجة، ولا، وجدته في كتب الضعفاء.**

امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں ان کی حدیث میں ضعف ہے، ذہبیؒ فرماتے ہیں نہ وہ حجت ہیں، نہ میں نے انہیں ضعفاء کی کتاب میں پایا۔ **(تاریخ الاسلام: ج۴: ص۹۲، رقم ۱۱۷)** امام ہیثمیؒ نے ان کو ثقہ بتلایا ہے۔ **(مجمع الزوائد: حدیث ۲۶۲۲)**

امام ابن حبانؒ نے بھی ان کو معتبر بتایا ہے، جبکہ وہ ثقات کی موافقت کریں۔ **(المجروحین: ج۲: ص ۱۹۲-۱۹۳)** اور یہاں بھی انہوں نے ثقہ (حمید الطویلؒ) کی موافقت کی ہے، لہذا عائذ بن شریحؒ اس روایت میں صدوق ومقبول ہیں۔

(۶) انس بن مالکؓ **(م ۹۳ھ)** مشہور صحابی رسول ہیں۔

لہذا یہ سند حسن ہے۔ اور اس سند میں حمید الطویلؒ پر تدلیس کا الزام بھی مردود ہے۔

## دلیل نمبر ۶ :

امام ابو داودؒ **(م ۲۷۵ھ)** فرماتے ہیں:

**حدثنا حسين بن عيسى، حدثنا طلق بن غنام، حدثنا عبد السلام بن حرب الملائي، عن بديل بن ميسرة، عن أبي الجوزاء، عن عائشة، قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا استفتح الصلاة، قال: سبحانك اللهم وبحمدك، وتبارك اسمك وتعالى جدك، ولا إله غيرك۔**

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو ثنا پڑھتے۔

**(سنن ابی داؤد: حدیث نمبر ۷۷۶، واللفظ لہ، المستدرک: ۱/ ۳۶۰، حدیث نمبر ۸۵۹)**

## سند کی تحقیق:

(۱) امام ابو داودؒ **(م ۲۷۵ھ)** مشہور ثقہ، حافظ الحدیث اور صاحب سنن ہیں۔ **(تقریب: رقم ۲۵۳۳)**

(۲) حسین بن عیسیٰ الطائیؒ **(م ۲۴۷ھ)** صحیحین کے راوی اور صدوق، صاحب حدیث ہیں۔ **(تقریب: ۱۳۴۰)**

(۳) طلق بن غنّام النخعیؒ **(م ۲۱۱ھ)** صحیح بخاری کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: ۳۰۴۳)**

(۴) عبد السلام بن **حرب الملائي**ؒ (م ۱۸۷؁ھ) بھی صحیحین کے راوی اور ثقہ، حافظ ہیں۔ **(تقریب: ۴۰۶۷)**

(۵) بدیل بن میسرة العقیلي البصریؒ (م ۱۳۰؁ھ) صحیح مسلم کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: ۶۴۶)**

(۶) ابو الجوزاء أوس بن عبد اللہ الربعيؒ (م ۸۳؁ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: ۵۷۷)**

(۷) **عائشة: أم المؤمنين الصديقة بنت الصديق حبيبة رسول الله المبرأة من فوق سبع سماوات رضی اللہ عنها وأرضاها۔**

معلوم ہوا اس سند کے تمام روات ثقہ ہیں۔

چند علماء کے حوالے درج ذیل ہیں:

- عراقیؒ (م ۸۰۶؁ھ) اس حدیث کے روات کو ثقہ کہتے ہیں۔ **(المستخرج على المستدرك للعراقي: ص ۷۲)**
- امام ابو عبد اللہ الحاکمؒ (م ۴۰۵؁ھ) اور امام ذہبیؒ (م ۷۴۸؁ھ) نے اس حدیث کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ **(المستدرک للحاکم مع تلخیص للذہبی: ج ۱: ص ۳۶۰، حدیث نمبر ۸۵۹)**
- امام ابو نعیم اصبہانیؒ (م ۴۳۰؁ھ) کہتے ہیں کہ: "**هذا حديث ثابت مشهور**" یہ حدیث ثابت اور مشہور ہے۔ **(حلیۃ الاولیاء: ج ۳: ص ۸۱)**
- امام ضیاء الدین مقدسیؒ (م ۶۴۳؁ھ) کہتے ہیں کہ "**رواية ما علمت فيهم مجروحًا**" ایسی روایت، جس میں مجھے کسی مجروح کا علم نہیں۔ **(شرح ابن ماجہ للمغلطائی: ص ۱۳۶۳)**
- امام حسین بن محمود زیدانیؒ (م ۷۲۷؁ھ) کہتے ہیں کہ "**لكنه حديث حسن عالي الإسناد قويٌّ عند أكثرهم**" لیکن اکثر محدثین کے نزدیک یہ حدیث حسن، عالی سند والی اور قوی ہے۔ **(المفاتیح شرح المصابیح: ج ۲: ص ۱۲۳)**
- فقیہ ابن مالک الکرمانیؒ (م ۸۵۴؁ھ) نے بھی یہی بات کہی ہے۔ **(شرح مصابیح: ج ۱: ص ۴۸۹)**

- ابو عبد اللہ فضل اللہ **تُورِبِشْتِي**ؒ (م ۶۶۱ھ) کہتے ہیں "**ھو حدیث حسن مشھور**" یہ مشہور حسن حدیث ہے۔ **(المیسر في شرح مصابیح السنة: ج۱: ص۲۳۵)**

- حافظ ابن حجرؒ بھی اس حدیث کو حسن کہتے ہے۔ **(نتائج الافکار: ج۱: ص۳۹۸)**[7]

---

[7] اس سند پر دو طرح سے کلام کیا گیا ہیں:

**پہلا کلام:**

اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد امام ابو داوٗدؒ کہتے ہیں:

**قال أبو داود: وھذا الحدیث لیس بالمشھور عن عبد السلام بن حرب لم یروہ إلا طلق بن غنام وقد روی قصة الصلاة عن بدیل جماعة لم یذکروا فیه شیئا من ھذا۔**

عبد السلام بن حربؒ سے یہ روایت مشہور نہیں، نیز اس کو عبد السلام سے روایت کرنے میں طلق بن غنّامؒ منفرد ہیں، (عبد السلام بن حربؒ کے شیخ) بدیل بن میسرةؒ سے اس روایت کو کئی لوگوں نے نقل کیا ہے، مگر کسی نے یہ الفاظ نقل نہیں کئے۔

**جواب :**

جواب یہ ہے کہ طلق بن غنام اور عبد السلام بن حرب، دونوں ثقہ ہیں، اور **زیادة الثقة** مقبول ہوتی ہے، جیسا کہ امام مجد الدین ابن تیمیہؒ (م ۶۵۲ھ) نے فرمایا ہے۔ **(شرح ابن ماجہ للمغلطائی : ص ۱۳۶۳)**، مشہور امام، حافظ الحدیث ابو الفتح ابن سید الناسؒ (م ۳۴ ۷ھ)، امام ابن الجوزیؒ (م ۵۹۷ھ) اور امام ابن الملقنؒ (م ۸۰۴ھ) وغیرہ نے بھی اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ **(النفح الشذي شرح جامع الترمذي لابن سید الناس: ج۴: ص ۲۹۱، التحقیق لابن الجوزی: ج ۱ : ص ۳۴۲، البدر المنیر: ج۳: ص۵۳۳)**

**دوسرا کلام:**

بعض علماء نے "**ابو الجوزاء أوس بن الربعي عن عائشة**" کی سند کو منقطع کہا ہے، کہ ابو الجوزاءؒ کا عائشہؓ سے سماع ثابت نہیں۔

**جواب:**

اس کا جواب یہ ہے کہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام مسلمؒ نے اس سند سے روایت نقل کی ہے، ان کے اصول کے مطابق یہاں امکان لقاء موجود ہے۔

---

**قلت: حديثه عن عائشة في الافتتاح بالتكبير عند مسلم وذكر ابن عبد البر في التمهيد أيضا أنه لم يسمع منها وقال جعفر الفريابي في كتاب الصلاة ثنا مزاحم بن سعيد ثنا بن المبارك ثنا إبراهيم بن طهمان ثنا بديل العقيلي عن أبي الجوزاء قال أرسلت رسولا إلى عائشة يسألها فذكر الحديث. فهذا ظاهره أنه لم يشافهها لكن لا مانع من جواز كونه توجه إليها بعد ذلك فشافهها على مذهب مسلم في إمكان اللقاء. والله أعلم (تہذیب التہذیب: ۱/۳۸۴)۔**

نیز حسن لغیرہ درجے کی روایت میں ابو الجوزاءؒ نے حضرت عائشہؓ سے سماع کی تصریح بھی کر دی ہے۔ (**مصنف عبد الرزاق: حدیث نمبر ۲۵۴۰، التاریخ الکبیر للبخاری: ج ۲: ص ۱۶**)، اور شیخ مبارک بن سیف الہاجری نے دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ابو الجوزاءؒ کا حضرت عائشہؓ سے سماع ثابت ہے۔ (**التابعون الثقات: ج ۱: ص ۱۰۳**) لہذا یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ نیز اس حدیث کے ۲ متابع موجود ہیں:

**پہلا متابع:**

امام ترمذیؒ (**م ۲۷۹ھ**) اور دوسرے محدثین نے حضرت عائشہؓ سے اس حدیث کو "**حدثنا الحسن بن عرفة ويحيى بن موسى قالا حدثنا أبو معاوية، عن حارثة بن أبي الرجال، عن عمرة، عن عائشة**" کی سند سے نقل کیا ہے۔ (**سنن ترمذی: ۲۴۳**)

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر **حارثة بن ابی الرجال محمد بن عبد الرحمن المدنی**ؒ (**م ۱۴۸ھ**) **ضعیف ہیں**۔ (**تقریب: ۱۰۶۲**) لیکن مذکورہ بالا سند سے اس کی متابعت ہو رہی ہے۔

**دوسرا متابع:**

امام ابو القاسم الطبرانیؒ (**م ۳۶۰ھ**) حدیث عائشہؓ کو "**حدثنا عبد الله بن ناجية، ثنا محمد بن عمارة بن صبيح، ثنا سهل بن عامر البجلي، ثنا مالك بن مغول، عن عطاء بن أبي رباح، عن عائشة**" کی سند سے نقل کیا ہے۔ (**الدعاء للطبرانی: حدیث ۵۰۳**)

اس روایت کے تمام رواۃ ثقہ ہیں مگر **سہل بن عامر بن ابی عامر البجلی**ؒ پر کلام ہے۔

امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں "**هو ضعيف الحديث، روى أحاديث بواطيل، أدركته بالكوفة وكان يفتعل الحديث**" وہ ضعیف الحدیث ہیں، باطل احادیث روایت کی ہیں، میں نے انہیں کوفہ میں دیکھا، وہ حدیث بناتے تھے۔ (**الجرح والتعدیل: ۴/۸۷۳، ۲۰۲**) امام بخاریؒ منکر الحدیث کہتے ہیں۔ (**الکامل فی الضعفاء لابن عدی: ۴/۵۱۶، رقم ۸۵۹**) امام دارقطنیؒ بھی کہتے ہیں کہ قوی نہیں ہیں۔ (**من تکلم فیہ الدارقطنی: ۲/۶۴، رقم ۱۵۸**)

## دلیل نمبر ۷ :

امام احمدؒ (م ۲۴۱؁ھ) کہتے ہیں:

**حدثنا حسن بن الربيع قال: حدثنا جعفر بن سليمان، عن علي بن علي، عن أبي المتوكل، عن أبي سعيد الخدري قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا افتتح الصلاة قال: سبحانك اللهم وبحمدك، وتبارك اسمك، وتعالى جدك، ولا إله غيرك۔**

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو یہ پڑھتے: **سبحانك اللهم وبحمدك، وتبارك اسمك، وتعالى جدك، ولا إله غيرك۔ (مسند احمد: ج۱۸: ص۱۹۹، واللفظ لہ، سنن الترمذی: ۲۴۲، سنن ابی داؤد: ۷۷۵)**

### سند کی تحقیق:

(۱) امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱؁ھ) مشہور ثقہ، امام ہیں۔

(۲) حسن بن الربیع البجلیؒ (م ۲۲۱؁ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(التقریب: ۱۲۴۱)**

(۳) **جعفر بن سليمان الضبعي**ؒ (م ۱۷۸؁ھ) صحیح مسلم کے راوی اور صدوق زاہد ہیں۔ **(التقریب: ۹۴۲)**

(۴) علي بن علي الرفاعیؒ سنن اربع کے راوی اور معتبر ہیں۔ **(التقریب: ۴۷۷۳)**

---

ان کے مقابلہ میں امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں " **لسهل أحاديث عن مالك بن مغول خاصة وعن غيره ليست بالكثيرة وأرجو أنه لا يستحق ولاَ يستوجب تصريح كذبه**" سہلؒ کی خاص طور پر مالک بن مغولؒ سے حدیثیں ہیں، دوسروں سے ان کی حدیثیں کم ہیں، مجھے امید ہے کہ وہ اس کے مستحق اور متقاضی نہیں ہیں کہ ان کی صراحتاً تکذیب کی جائے۔ **(الکامل لابن عدی: ۴/۵۱۶، رقم ۸۵۹)**

معلوم ہوا یہ سند **سهل البجلی**ؒ کی وجہ سے ضعیف ہے، البتہ متابعت میں قابل ذکر ہیں۔

لہذا ابو داود والی روایت متصل اور صحیح ہے۔ واللہ اعلم

(۵) **أبو المتوکل** الناجیؒ (**م۱۰۸ھ**) صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (**التقریب: ۴۷۳۱**)

(۶) أبو سعید الخدريؓ صحابی مشہور ہے۔ (**تقریب**)

یہ سند حسن ہے، حافظ ابن حجرؒ (**م۸۵۲ھ**) کہتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔ (**نتائج الافکار: ج۱: ص ۴۱۲-۴۱۴**)، حافظ ہیثمیؒ (**م۸۰۷ھ**) کہتے ہیں: اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (**مجمع الزوائد: حدیث ۳۵۹۳**)، امام عینیؒ (**م۸۵۵ھ**) فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔ (**نخب الافکار: ج۳: ص ۵۲۱**)

نیز سلفی علماء مثلاً شیخ الالبانیؒ، شیخ احمد شاکرؒ، شیخ زبیر علی زئی، شیخ محمد بن آدم **الإثیوبي الوَلّوِي** وغیرہ بھی اس حدیث کی تصحیح فرماتے ہیں۔ (**سنن الترمذی: حدیث ۲۴۲، تحقیق الالبانی، سنن الترمذی: ج۱: ص ۱۱۲، تحقیق احمد شاکر، مشکاۃ المصابیح، تحقیق زبیر علی زئی: حدیث ۱۲۱۷، ذخیرۃ العقبی في شرح المجتبی: ج۱۱: ص ۳۸۲**)[8]

---

[8] **کچھ اشکالات اور ان کے جوابات:**

امام ترمذیؒ (**م۲۷۹ھ**) اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

**"وقد تکلم في إسناد حدیث أبي سعید کان یحیی بن سعید یتکلم في علي بن علي الرفاعي وقال أحمد: لا یصح هذا الحدیث"۔**

حدیثِ ابو سعید خدریؓ کی سند میں کلام کیا گیا ہے، یحییٰ بن سعیدؒ، علی بن علیؒ پر کلام کرتے تھے، اور امام احمدؒ نے فرمایا یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

امام ترمذیؒ کی جرح کا جواب دیتے ہوئے امام مغلطائیؒ (**م۷۶۲ھ**) کہتے ہیں:

**"وفیه نظر، لأني لم أر أحدا ذکر عن یحیی بن سعید فیه کلاما"۔**

یہ بات قابل غور ہے اسلئے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے بھی یحییٰ بن سعیدؒ سے ان کے بارے میں کلام کرنا نقل کیا ہو۔ (**اکمال تہذیب الکمال: ۹/ ۳۶۴، رقم ۳۸۳۵**)

جہاں تک امام احمدؒ کا کلام ہے، تو اس کی کوئی وجہ حضرت امام احمدؒ نے ذکر نہیں فرمائی، البتہ امام ابو داوٗدؒ اپنی سنن میں فرماتے ہیں:

**"وهذا الحدیث یقولون هو عن علي بن علي عن الحسن مرسلا، الوهم من جعفر"**

## دلیل نمبر ۸ :

امام ابن الاعرابیؒ (م ۳۴۰؁ھ) فرماتے ہیں :

**نا محمد بن بشر بن مطر أخو خطاب القاضي، نا أحمد بن حاتم الطويل، نا علي بن عابس، عن أبي إسحاق، عن أبي عبيدة، عن عبد الله، أن النبي صلى الله عليه وسلم وأبا بكر، وعمر كانوا يستفتحون الصلاة۔**

نبی ﷺ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ نماز کے شروع میں ثنا پڑھتے تھے۔ **(معجم ابن الاعرابی: ج ۱: ص ۳۶۳، رقم ۷۰۳)**

**سند کی تحقیق:**

(۱) احمد بن محمد ابو سعید ابن الاعرابیؒ (م ۳۴۰؁ھ) مشہور ثقہ مکثر ہیں۔ **(تاریخ الاسلام: ج ۷: ص ۷۳۳، رقم ۳۰۷) (الدلیل المغنی: صفحہ ۱۲۴، رقم الترجمۃ: ۸۸)**

(۲) محمد بن بشر ابو بکر البغدادی الوراقؒ (م ۲۸۵؁ھ) ثقہ ہیں۔ **(تاریخ الاسلام: ج ۶: ص ۸۰۰، رقم ۴۲۰)**

---

اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث علی بن علی رفاعیؒ، حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت کرتے تھے، اس میں جعفر الضبعی کو وہم ہوا ہے (کہ انہوں نے مرفوعاً و مسنداً ذکر کیا ہے)۔

امام احمدؒ نے یہی جرح کی ہے لیکن علی الرفاعیؒ کے بارے میں کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ **"أنہ رفع أحادیث"** انہوں نے بعض احادیث کو (جو مرفوع نہیں تھیں) مرفوعاً نقل کیا ہے۔

لیکن اس حدیث کے کئی شواہد موجود ہیں، جو کہ گزر چکے، جن کی وجہ سے یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے۔ واللہ اعلم

یہی وجہ ہے کہ کئی ائمہ اور علماء نے اس کی تصحیح فرمائی ہے، جیسا کہ گزر چکا۔

نیز غیر مقلد عالم و محدث شیخ ناصر الدین البانیؒ فرماتے ہیں:

**"قلت: لا شك عندنا في أن الحديث صحيح، وقد عرفت الجواب عمّا أُعِل به، لا سيما وأن له شواهد كثيرة تقويه"۔**

میں کہتا ہوں: ہمیں اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے، اور اس میں جو علت بیان کی گئی ہے، اس کا جواب آپ نے جان لیا، خاص طور پر جبکہ اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں، جو اسے تقویت دے رہے ہیں۔ **(صحیح أبي داوٗد الأم: ۳/۳۶۳، رقم الحدیث ۷۴۸)**

(۳) احمد بن حاتم بن یزید الطویلؒ (م ۲۲۷ھ) بھی ثقہ ہیں۔ **(تاریخ الاسلام: ج ۵: ص ۵۰۵، رقم ۳)**

(۴) علی بن عابس الازدی الکوفی ضعیف ہیں۔ **(تقریب: ۴۷۵۷)**

لیکن امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) یہی روایت[9] ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

**ولعلي بن عابس أحاديث حسان ويروي عن أبان بن تغلب وعن غيره أحاديث غرائب، وهو مع ضعفه يكتب حديثه۔**

ان سے حسن حدیثیں بھی (مروی) ہیں، ابان بن تغلب اور دوسروں سے انہوں نے غریب حدیثیں نقل کی ہیں، ضعف کے باوجود (وہ اس درجہ کے ہیں کہ) ان کی حدیث لکھی جائے گی۔ **(الکامل: ج ۶: ص ۳۲۴، رقم ۱۳۴۷)**

امام دارقطنیؒ (م ۳۸۵ھ) فرماتے ہیں، ان کی حدیث اعتبار کیلئے لی جائے گی۔

**(موسوعة أقوال الامام الدارقطني: ج ۲: ص ۴۶۴، رقم ۲۴۶۷)**

اس سے معلوم ہوا کہ علی بن عابس الکوفیؒ کی حدیثیں متابعت میں لی جائیں گی۔

(۵) ابو اسحاق عمرو بن عبد اللہ سبیعیؒ (م ۱۲۹ھ) کے بارے میں حافظؒ کہتے ہیں: **"ثقة، مكثر عابد، اختلط بأخرة"۔ (تقریب: ۵۰۶۵)** **"ابو اسحاق عن ابی عبیدة"** یہ بخاری کی شرط پر ہے۔

(۶) اَبو عبیدۃ ابن عبد اللہ بن مسعودؒ (م ۸۰ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: ۸۲۳۱)**[10]

---

[9] امام ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) کہتے ہیں:

**حدثنا العباس بن محمد بن العباس، حدثنا أحمد بن عمر، وأبو الطاهر، قال: حدثنا ابن وهب، عن علي بن عابس عن ليث بن أبي سليم، عن أبي عبيدة بن عبد الله بن مسعود، عن أبيه كان رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأبو بكر وعمر رضي الله عنهما يقرأون في أول الصلاة سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك، ولا إله غيرك قال وكان ابن مسعود يفعل ذلك۔ (الکامل لابن عدی: ج ۶: ص ۳۲۳-۳۲۴)** اس روایت میں موجود ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کا اپنا عمل بھی یہی تھا۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے **ص: ۲۱۔**

[10] اَبو عبیدۃؒ کا ان کے والدؓ سے سماع ثابت ہے، جس کی تفصیل **ص: ۴۶** پر موجود ہے۔

(۷) عبد اللہ بن مسعودؓ مشہور صحابیِ رسول ہیں۔

اگرچہ علی بن عابس الکوفیؒ کی وجہ سے اس سند میں ضعف ہے، لیکن ابن جریجؒ (م ۱۵۰ھ) نے اپنی صدوق استاذ سے یہی روایت مرسلاً نقل فرمائی ہے، چنانچہ امام عبد الرزاق الصنعانیؒ (م ۲۱۱ھ) فرماتے ہیں:

**عن ابن جريج قال: حدثني من أصدق، عن أبي بكر، وعن عمر، وعن عثمان، وعن ابن مسعود، أنهم كانوا إذا استفتحوا قالوا سبحانك اللهم وبحمدك، وتبارك اسمك، وتعالى جدك، ولا إله غيرك۔**

حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن مسعودؓ نماز کے شروع میں ثناء پڑھتے تھے۔

**(مصنف عبد الرزاق: حدیث ۲۵۵۸)**

اس سند میں امام ابن جریجؒ (م ۱۵۰ھ) فرماتے ہیں: '**حدثني من أصدق**' مجھ سے اس نے حدیث بیان کی جس کی میں تصدیق کرتا ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ وہ راوی، امام ابن جریجؒ کے نزدیک صدوق تھے۔

ان دونوں روایتوں سے پتہ چلا کہ حضور ﷺ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، اور حضرت ابن مسعودؓ نماز کے شروع میں ثناء پڑھتے تھے، اور یہ دونوں روایات شواہد کی وجہ سے حسن اور مقبول ہیں۔[11]

---

[11] **شاہد نمبر ۱:**

صحیح و حسن روایات گزر چکیں کہ نبی ﷺ نماز کے شروع میں "ثنا" پڑھتے تھے، ایک حدیث حضرت جابر بن عبد اللہؓ کے طریق سے بھی آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے شروع میں "ثنا" پڑھتے تھے۔ **(سنن کبری بیہقی: ج ۲: ص ۵۲، حدیث ۲۳۵۱، و اسنادہ حسن)**
اسی طرح ابن مسعودؓ سے بھی مرفوعاً دوسری سند سے یہی روایت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ امام ابو القاسم الطبرانیؒ (م ۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

**حدثنا محمد بن عبد الله الحضرمي، ثنا أبو كريب، ثنا فردوس الأشعري، ثنا مسعود بن سليمان قال: سمعت الحكم يحدث، عن أبي الأحوص، عن عبد الله قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا افتتح الصلاة قال: سبحانك اللهم وبحمدك، وتبارك اسمك، وتعالى جدك، ولا إله غيرك۔**

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو ثنا پڑھتے۔ **(المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰۱۱۷)**، اس کی سند میں مسعود بن سلیمان مجہول ہیں، جیسا کہ امام ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں واضح کیا ہے، لیکن بہر حال شواہد میں قابل ذکر ہے۔

**شاہد نمبر ۲ :**

امام، حافظ عبد اللہ بن وہبؒ (م ۱۹۷ھ) فرماتے ہیں:

**أخبرك عمرو بن الحارث، و ابن لهيعة، عن خالد بن أبي عمران، أن سالم بن عبد الله، و نافعاً حدثاه؛ أن عمر بن الخطاب كان لا يكبر حتى يلتفت إلى الصفوف ويعتدل، فإذا اعتدل كبر ثم قال: سبحانك اللهم و بحمدك تبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك رافعاً بها صوته، و أن أبا بكر الصديق كان يفعل ذلك۔**

خالد بن ابی عمرانؒ سے روایت ہے کہ سالم بن عبد اللہؒ اور نافعؒ نے ان سے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ اس وقت تک تکبیر (تحریمہ) نہیں کہتے جب تک کہ صفوں کی طرف التفات نہ کر لیتے اور درستگی نہ ہو جاتی، جب درستگی ہو جاتی تو تکبیر کہتے، پھر آپ بآوازِ بلند ثنا پڑھتے، اور ابو بکرؓ سے اسی طرح کیا کرتے تھے۔ **(الجامع لابن وھب: ج ۱: ص ۲۳۳)**

اس سند کے تمام رواۃ ثقہ ہیں اور روایت صحیح مرسل ہے، اسی طرح یہی روایت ایک اور سند سے بھی آئی ہے۔
**(الاوسط لابن المنذر: ج۳: ص ۸۲، واسنادہ حسن مرسل)**

**شاہد نمبر ۳ :**

امام ابو بکر ابن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) کہتے ہیں:

**نا أبو خالد الأحمر، عن ابن عجلان، قال: بلغني أن أبا بكر، كان يقول مثل ذلك۔**

ابن عجلانؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ابو بکرؓ (بھی) اسی طرح پڑھا کرتے تھے۔ **(المصنف لابن بی شیبۃ: ج ۲: ص ۳۹۶)**

یہ روایت بھی صحیح مرسل ہے۔

**شاہد نمبر ۴ :**

عمرؓ سے مروی صحیح روایات تفصیلی طور پر **"دلیل نمبر ۱"** کے تحت گزر چکیں کہ وہ بھی نماز کے شروع میں **"ثنا"** پڑھتے تھے۔

**شاہد نمبر ۵ :**

امام دار قطنیؒ (م ۳۸۵ھ) فرماتے ہیں:

**حدثنا يعقوب بن إبراهيم البزاز ثنا الحسن بن عرفة ثنا أبو بكر بن عياش عن عاصم عن أبي وائل قال: كان عثمان إذا افتتح الصلاة يقول: سبحانك اللهم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالى جدك ولا إله غيرك يسمعنا ذلك۔**

حضرت ابو وائل ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ جب نماز شروع فرماتے تو ثنا پڑھتے، (اور) اسے (بلند آواز سے پڑھ کر) ہمیں سناتے۔ **(سنن دار قطنی: ج۲: ص۶۵، حدیث نمبر ۱۱۵۴)**

**سند کی تحقیق:**

(۱) امام دار قطنیؒ (م۳۸۵ھ) مشہور ثقہ، امام اور حافظ الحدیث ہیں۔ **(تاریخ الاسلام)**

(۲) **يعقوب بن إبراهيم بن أحمد، أبو بكر البغداديّ البزاز، عرف بالجراب** ثقہ ہیں۔ **(تاریخ الاسلام: ۷/۴۶۹، رقم ۱۱۰)**

(۲) **الحسن بن عرفةؒ** بھی **الإمام، المحدث، الثقة** ہیں۔ **(سیر: ۱۱/۵۴۷، رقم ۱۶۳)**

(۳) ابو بکر بن عیاش اسدی کے بارے میں حافظؒ کہتے ہیں: **ثقة عابد إلا أنه لما كبر ساء حفظه و كتابه صحيح۔ (تقریب: ۷۹۸۵)**

اور ابن عدیؒ نے صراحت فرمائی کہ جب ان سے ثقہ راوی روایت کریں تو ان کی حدیث منکر نہیں ہوگی۔
اور یہاں بھی ان سے ثقہ راوی حسن بن عرفہؒ نے روایت کیا ہے۔ لہذا یہاں پر وہ ثقہ ہیں۔

ابن حبانؒ نے بھی ان کو صالح الاحتجاج تسلیم کیا ہے، جب تک کہ ان سے غلطی ثابت نہ ہو۔ **(کتاب الثقات: ج۷: ص۶۷۰)**
اور اس روایت میں بھی ان سے غلطی ہونا ثابت نہیں، لہذا یہاں پر وہ صالح الاحتجاج ہیں۔

(۴) **عاصم بن بهدلة**ؒ بھی صدوق ہیں۔ **(تقریب: ۳۰۵۴)**

(۵) ابو وائل شقیق بن سلمہ الکوفیؒ بھی ثقہ ہیں۔ **(تقریب: ۲۸۱۶)**

(۶) عثمان بن عفانؓ امیر المؤمنین اور صحابی جلیل ہیں۔

لہذا یہ سند حسن ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ سے بھی نماز کے ابتداء میں **"ثنا"** پڑھنا ثابت ہے۔

**شاہد نمبر ۶:**

امام ابن ابی شیبہؒ (م۲۳۵ھ) فرماتے ہیں:

**حدثنا عبد السلام، عن خصيف، عن أبي عبيدة، عن عبد الله، أنه كان إذا افتتح الصلاة، قال: سبحانك اللهم و بحمدك، وتبارك اسمك وتعالى جدك، ولا إله غيرك۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث نمبر ۲۴۰۶)**

**ائمہ وعلماء کا مسلک:**

امام، حافظ ابو عیسی الترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) فرماتے ہیں کہ **"والعمل علی هذا عند أكثر أهل العلم من التابعين وغيرهم"** تابعین اور دیگر **اکثر اہل علم** کا مسلک نماز کے ابتداء میں "ثناء" پڑھنے کا ہے۔ **(ترمذی: ج ۲: ص ۹)**

امام ابن رجبؒ (م ۷۹۵ھ) کہتے ہیں:

**"صح هذا عن عمر بن الخطاب، روي عنه من وجوه كثيرة وعن ابن مسعود، وروي عن أبي بكر الصديق، عثمان بن عفان، وعن الحسن، وقتادة، والنخعي، وهو قول الأوزاعي، والثوري، وأبي حنيفة، وابن المبارك، وأحمد وإسحاق –في رواية"** ۔

---

(۱) أبو بکر بن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) مشہور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ **(تقریب)**

(۲) عبد السلام بن حرب الملائیؒ (م ۱۸۷ھ) صحیحین کے راوی اور ثقہ حافظ ہیں۔ **(تقریب: ۴۰۶۷)**

(۳) خصیف بن عبد الرحمن الجزریؒ (م ۱۳۷ھ) سنن اربع کے راوی، **صدوق سيء الحفظ، خلط بآخرة** ہیں۔ **(تقریب: ۱۷۱۸)** اور ایسا راوی غیر مقلدین کے نزدک حسن الحدیث ہوتا ہے۔ **(انوار البدر: ص ۱۷۴)**

امام ذہبیؒ نے کہا کہ ان کا حال صحت کے قریب ہے۔ **(دیوان الضعفاء: رقم ۱۲۶۹)**

اور "**عبد السلام بن حرب عن خصیف**" کی حدیث کو امام ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) امام ابن الجارودؒ (م ۳۰۷ھ) امام حاکمؒ (م ۴۰۵ھ) وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔ **(سنن ترمذی: حدیث ۸۱۹، المنتقی لابن الجارود: حدیث ۳۴۴، المستدرک: ج ۲: ص ۵۶۶، ح ۳۹۲۱)** یعنی ان ائمہ کے نزدیک عبد السلامؒ کا سماع خصیفؒ سے انکے اختلاط سے پہلے ہوا ہے جیسا کہ اہل حدیثوں کے کا اصول ہے۔ **(مجلہ الاجماع: ش ۷: ص ۲۵)**

(۴) أبو عبیدۃ ابن عبد اللہ بن مسعودؒ (م ۸۰ھ) کی توثیق گزر چکی۔

(۵) عبد اللہ بن مسعودؓ مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔

معلوم ہوا کہ خود ابن مسعودؓ بھی نماز کے ابتداء میں **"ثناء"** پڑھتے تھے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ رسول ﷺ، ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، اور ابن مسعودؓ ﷺ وغیرہ نماز کے ابتداء میں **"ثنا"** پڑھتے تھے۔

حضرت عمرؓ سے یہ صحیح سند سے منقول ہے، آپؓ سے یہ بہت سی سندوں سے مروی ہے، نیز ابن مسعودؓ، ابو بکر صدیقؓ، عثمان بن عفانؓ، حسن بصریؒ، قتادۃؒ، نخعیؒ، یہی امام اوزاعی، امام ابو حنیفہ، امام ابن المبارک، امام احمد بن حنبل، اور –ایک روایت میں امام اسحاق رحمہم اللہ اجمعین کا قول ہے۔(**فتح الباری لابن رجب: ج٦: ص٣٦٦**)،

اور یہی قول امام حسن بن صالح بن حیؒ (**م ١٦٩ھ**)، امام ابو یوسفؒ (**م ١٨٢ھ**) امام محمدؒ (**م ١٨٩ھ**) کا بھی ہے۔ **(الاستذکار لابن عبد البر: ج٣: ص٤٠، الأصل المعروف بالمبسوط للشیبانی : ج١: ص١،٣)**

## نکتۃ مھمۃ:

امام مرعی بن یوسف کرمیؒ (**م ١٠٣٣ھ**) نے فقہ حنبلی میں '**دلیل الطالب لنیل المطالب**' نامی کتاب تصنیف کی، سلفی عالم شیخ إبراہیم بن محمد ابن ضویانؒ (**م ١٣٥٣ھ**) نے اس کی شرح "**منار السبیل فی شرح الدلیل**" لکھی۔

غیر مقلد عالم و محدث، شیخ ناصر الدین البانیؒ نے منار السبیل کی احادیث کی تخریج کی، ان کی کتاب کا نام ہے "**إرواء الغلیل فی تخریج أحادیث منار السبیل**"۔

(بعض عرب علماء کہتے ہیں کہ شیخ نے اپنے مخالفین کے لئے سخت زبان استعمال کی ہے)

شیخؒ نے اپنی کتاب میں اس حدیث کو بھی ذکر کیا، اور اس کی تصحیح کی ہے، نیز اس پر جتنے اعتراضات کئے گئے ہیں، ان کا جواب بھی دیا ہے، دیکھئے (**إرواء الغلیل: جلد ٢: صفحہ ٥٠ – ٥٢، حدیث ٣٤١**)

پھر سلفی سعودی عالم، شیخ احمد الخلیل نے شیخ البانیؒ کی کتاب إرواء الغلیل کے رد میں کتاب لکھی، جس کا نام ہے: "**مستدرک التعلیل علی إرواء الغلیل**" جس میں بقول انکے شیخ کی کئی "**منہجی**" غلطیوں پر تنبیہ کی، شیخ کو نصیحت بھی کی، البتہ یہ بات قابل ملاحظہ ہے کہ کئی جگہ، جہاں دوسرے سلفی علماء کی تحقیق بھی شیخ البانیؒ کے موافق تھی، شیخ احمد الخلیل نے تردید صرف شیخ البانیؒ کی کی ہے، وجہ کیا ہے یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

شیخ احمد الخلیل نے محدثین کو متقدمین اور متاخرین میں تقسیم کیا، اور ایک طرح سے متقدمین ائمہ جرح و تعدیل کی تقلید کا حکم دیا۔

ویسے شیخ البانیؒ سے سعودی علماء کا سیاسی اختلاف بھی تھا، شیخؒ نے وہاں کی حکومت کی بعض چیزوں پر تنقید کی تھی، جس پر شیخ کو سعودیہ چھوڑنا پڑا تھا، کئی سال تک ہم نے خود نوٹ کیا کہ حرمین شریفین کے خطبوں میں، احادیث کی تصحیح وتضعیف میں شیخ البانیؒ کا نام تک نہیں لیا جاتا، اس کے بجائے "بعض محققین نے اسے صحیح کہا ہے" کہا جاتا۔

اس کتاب میں شیخ احمد الخلیل نے بھی حضرت ابو سعیدؓ کی اس حدیث کا تذکرہ کیا ہے، اور استفتاح صلاۃ سے متعلق تمام مرفوع روایتوں کو رد کر دیا، اور شیخ البانی کی تحقیق سے اختلاف کیا ہے۔

**"الحديث لا يصح مرفوعاً"** یہ حدیث مرفوعاً صحیح نہیں ہے۔ **(مستدرک التعلیل: جلد ۱: صفحہ ۲۱۰)**

پھر سعودی شیخ دکتور أحمد الخلیل کے رد میں دوسرے سلفی شامی عالم شیخ أبو العینین نے ایک کتاب تالیف کی، **"إقامة الدليل على علو رتبة إرواء الغليل"** نامی، اس میں شیخ البانیؒ کا خوب دفاع کیا۔

سلفی شامی عالم شیخ ابو العینین نے اس حدیث کے بارے میں شیخ البانیؒ کی تحقیق سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا: **"الراجح عندي صحيح بمجموع طرقه"** میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ حدیث مجموع طرق کی وجہ سے صحیح ہے۔ **(إقامة الدليل: صفحہ ۱۶۴، رقم الحدیث ۳۶)**

شیخ ابو العینین ہی کی طرح شیخ أبو عبد الرحمن العبیلان نے بھی شیخ البانیؒ کی کتاب کا دفاع کرتے ہوئے سعودی سلفی عالم ڈاکٹر احمد الخلیل کی کتاب کا رد لکھا ہے، شیخ عبیلان کی کتاب کا نام ہے **"رد الجميل في الذب عن إرواء الغليل"**۔

شیخ عبیلان، ڈاکٹر احمد الخلیل کے بارے میں کہتے ہیں:

**واعتمد الدكتور أحمد على التقليد، وكأن أقوال أهل العلم في الرجال وعلل الحديث وَحْيٌ منزل من السماء لا تجوز مخالفته، وكأنهم لم يختلفوا في ذلك۔**

"ڈاکٹر احمد الخلیل نے تقلید پر اعتماد کیا ہے، اور رواۃ حدیث اور علل حدیث کے بارے میں اہل علم کے اقوال گویا آسمانی وحی ہیں جن کی مخالفت جائز نہیں، اور گویا اہل علم کا اس چیز میں کبھی اختلاف ہوا ہی نہیں۔ **(رد الجمیل: صفحہ ۵)**

شیخ العبیلان، ڈاکٹر احمد الخلیل کے، اس حدیث سے متعلق کلام کے بارے میں کہتے ہیں:

**”لسنافي حاجة للرد على هذا الكلام، فإن الحديث اشتهر عند المسلمين، بل ربما أكثرهم لا يعرف غيره، فهو مما تلقّتهُ الأُمّةُ بالقبول“**

ہمیں اس بات کا جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں، اس لئے کہ یہ حدیث مسلمانوں کے نزدیک مشہور ہے، بلکہ بہت سے مسلمان اس کے علاوہ کوئی دعاء جانتے ہی نہیں، گویا اس دعاء کو امت کی تلقی بالقبول حاصل ہے۔

(یاد رہے کہ غیر مقلدین کئی جگہ پر تلقی بالقبول کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں)

سلفی عالم شیخ عبیلان نے حدیثِ ناحیہ کی بجائے اصولی انداز میں افتتاح صلاۃ کے موقع پر ثنا پڑھنے کو ترجیح دی ہے۔ **(رد الجمیل: صفحہ ۲۳۰، حدیث ۳۶)**

**خلاصہ:**

- نماز کے شروع میں ثناء پڑھنا، قرآن کریم کی تفسیر، کئی احادیث مرفوعہ، کبارِ صحابہ کے عمل سے ثابت ہے۔
- فرض نماز کے شروع میں اسے پڑھنا نبی اکرم ﷺ کی سنت مستمرہ رہی ہے۔
- حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ کرام کا عمل اسی پر ہے۔
- **”ثناء“** اللہ تعالیٰ کے محبوب کلاموں میں سے ہے۔[12]

---

[12] حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **”إن أحب الكلام إلى الله أن يقول العبد سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك وإن أبغض الكلام إلى الله أن يقول الرجل للرجل اتق الله فيقول عليك نفسك“** ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت پسندیدہ کلام یہ ہے کہ بندہ کہے **”سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك“** اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ کلام یہ ہے کہ ایک شخص کسی سے کہے کہ اللہ سے ڈرو، تو سامنے والا کہے کہ تم اپنا کام کرو۔ **(عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: صفحہ ۴۸۸، حدیث: ۸۴۸ واسنادہ صحیح، نیز دیکھئے حدیث نمبر ۸۵۰-۸۵۲)** معلوم ہوا یہ کلمات اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں، اس لئے اسے نماز میں شروع میں رکھا گیا، نیز نماز کے اخیر میں پڑھی جانے والی دعاؤں میں سے، اس دعاء کو ترجیح دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نماز کا شروع و اخیر، دونوں اللہ تعالیٰ کے محبوب کلمات پر مشتمل ہوں۔

- اسی دعاء پر اکثر امت کا عمل ہے، جیسا کہ شروع میں ذکر کیا گیا۔
- امت مسلمہ میں اس دعاء کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔
- دوسری دعاؤں کے مقابلہ میں یہ مختصر ہے۔ چنانچہ سلفی عالم کبیر اور مفتی مملکہ شیخ ابن بازؒ کہتے ہیں:

**إن دعاء الاستفتاح ليس بواجب، بل هو سنة، وله أنواع، أقصرها ما ثبت من حديث عائشة وأبي سعيد رضي الله عنهما، وجاء أيضا حديث عمر: «سبحانك اللهم وبحمدك، وتبارك اسمك وتعالى جدك، ولا إله غيرك هذا أقصرها۔**

”دعاء استفتاح واجب نہیں سنت ہے، اور اس کی مختلف قسمیں ہیں، جن میں سب سے مختصر وہ ہے جو حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوسعیدؓ کی حدیث سے ثابت ہے، عمرؓ کی بھی حدیث ہے، سبحانک اللہ الخ، یہ ان دعاؤں میں سب سے مختصر ہے“۔ **(فتاویٰ نور علی الدرب: ۸/ ۱۶۵)**

اور تمام علماء کا کہنا ہے کہ فرض نماز مختصر پڑھانی چاہیے۔ (الاقناع فی مسائل الاجماع للفاسی: جلد ۱: صفحہ ۱۵۰، رقم ۷۸۲)

لہذا یہ دعاء فرض نماز کے زیادہ موافق ہے، اور بقیہ دعائیں نوافل میں پڑھ لی جائیں۔ واللہ اعلم

# قیام میں دو پیروں کے درمیان کا کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟

**مؤلف:** حضرت مفتی شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم

**حاشیہ:** مولانا نذیر الدین قاسمی

اہل حدیث حضرات، نماز باجماعت میں ایک دوسرے سے پاؤں ملا کر کھڑے ہونا ضروری سمجھتے ہیں، جس کی وجہ وہ حضرات یہ بیان کرتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ نے فرمایا: میں نے دیکھا (رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں) کہ ہم میں سے آدمی اپنے ساتھی کے ٹخنے سے ٹخنہ ملاتا تھا، اور حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ ہمارا ایک ساتھی دوسرے ساتھی کے کاندھے سے کاندھا اور قدم سے قدم ملاتا تھا۔ **(بخاری: ۱/۱۰۰)**

مؤلفِ "حدیث نماز" بھی ان حدیثوں کو بیان کرکے احناف کو بھی اس پر عمل کی دعوت دے رہے ہیں، کہ تم اگر اہل سنت ہو تو اس پر عمل کرو؛ کیونکہ یہ بھی سنت ہے۔ **(دیکھئے حدیثِ نماز: ۵۳-۵۴)**

اس موقعہ پر بھی مؤلفِ **"حدیث نماز"** نے اپنی عادت کے مطابق بڑی ہی مبالغہ آرائیاں کی ہیں، ہم پہلے احناف کا بلکہ تمام ہی ائمہ کا مذہب اور حدیثوں کا صحیح مطلب علماء کے کلام سے پیش کرتے ہیں۔

## تسویۂ صف اور جمہور کا مذہب:

اس میں کوئی اختلاف کسی کو بھی نہیں کہ صفوں کے درمیان برابری اہم کام ہے، امام شافعیؒ، امام ابو حنیفہؒ، اور امام مالکؒ صفوف کی برابری کو سنت قرار دیتے ہیں اور بعض حضرات فرض و واجب ہونے کے بھی قائل ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ "علّامہ ابن عبد البرؒ نے "الاستذکار" میں فرمایا کہ تسویۂ صفوف کے بارے میں آثارِ متواترہ وارد ہوئے ہیں، جن میں نبی کریم ﷺ سے تسویۂ صفوف کا امر منقول ہے، اور اس پر خلفائے راشدین کا عمل بھی ہے، نیز اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ **(اوجز المسالک: ۳/۲۹۵)**

## پاؤں سے پاؤں ملانے کا معنیٰ:

لیکن سوال یہ ہے کہ صفوں میں برابری کا مطلب کیا ہے، مؤلفِ "حدیث نماز" اور دیگر غیر مقلدین اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ ہر آدمی اپنا پاؤں دوسرے کے پاؤں سے ملائے، اور اس پر حضرت نعمان بن بشیرؓ کی حدیث جو اوپر نقل کی گئی، اس سے استدلال کرتے ہیں، حالانکہ اس کا یہ مطلب کسی نے نہیں لیا، اس لیے حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے فرمایا کہ یہ غیر مقلدین کے مختارات میں سے ہے جس کا سلف میں نام ونشان نہیں۔ **(فیض الباری: ۲/۲۳۷)**

اور مؤلفِ "حدیث نماز" نے ترقی کر کے یہ بھی فرمادیا کہ حنفی مذہب کی کتابوں میں ہم اہل حدیثوں کی طرح آپ کو بھی یہی حکم ہے کہ مل کر کھڑے رہو، اور درمیان میں جگہ نہ چھوڑو الخ۔ **(حدیثِ نماز: ۵۳)**

ہم کہتے ہیں کہ اس میں تو شک نہیں کہ ہماری کتابوں میں مل کر کھڑے ہونے اور درمیان میں جگہ نہ چھوڑنے کا حکم ہے، مگر مل کر کھڑے ہونے کا یہ مفہوم جو غیر مقلدین نے لیا ہے کہ پاؤں سے پاؤں ملانا چاہیے یہ کہاں سے اخذ کر لیا؟ کتب احناف میں اس کا ذکر نہیں ہے بلکہ تسویۂ صفوف میں اتصال کا حکم ہے۔

اس لئے آیئے، دیکھیں کہ علماء نے ان احادیث کا کیا مطلب بیان کیا ہے؛ کیونکہ حدیث کا وہی مطلب معتبر ہو گا جو شراحِ حدیث نے بیان کیا ہے:

(۱)　حدیث کے مشہور شارح علامہ ابن حجر عسقلانیؒ، حضرت نعمانؓ کی اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

**"المراد بذلک المبالغة فی تعدیل الصف وسد خلله"**

اس سے مراد صف کی برابری میں اور درمیانِ صف میں جگہ بند کرنے میں مبالغہ بیان کرنا ہے۔

**(فتح الباری: ۲/۲۱۱)**

(۲)　علامہ قسطلانی شافعیؒ **(م ۹۲۳ھ)** نے نعمان بن بشیرؓ کی مذکورہ حدیث کا مطلب ان الفاظ سے بیان کیا ہے:

**”المراد بذلک المبالغة فی تعدیل الصف وسد خلله“**

یعنی الزاقِ **منکب** وقدم سے مراد، تعدیل صف میں مبالغہ اور خلل کو بند کرنا ہے۔

**(ارشاد الساری شرحِ بخاری: ۷۶/۲)**

(۳) شارح بخاری علامہ بدر الدین العینیؒ **(م ۸۵۵ھ)** اس کی شرح میں ارشاد فرماتے ہیں:

**”أشار بهذا إلى المبالغة فی تعدیل الصفوف وسد الخلل فيه“**

یعنی الزاقِ **منکب** وقدم سے تعدیل صفوف اور درمیانی جگہوں کو بند کرنے میں مبالغہ کی جانب اشارہ ہے۔

**(عمدۃ القاری شرح بخاری: ۳۶۰/۴)**

(۴) محدث شہیر علامہ انور شاہ کشمیریؒ **(م ۱۳۵۳ھ)** نے فرمایا کہ حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ مراد اس سے تعدیل صف میں مبالغہ ہے اور خلل کو بند کرنا ہے، یہی فقہاء اربعہ کے یہاں اس کا مطلب ہے کہ درمیان میں جگہ نہ چھوڑی جائے کہ جس میں تیسرا داخل ہو سکے، نیز فرمایا کہ: صحابہ اور تابعین کے تعامل سے ہم نے سمجھا کہ 'اِلزاقِ منکب“ (یعنی کندھے ملانے سے) صحابہ کی مراد صرف آپس میں ملنا اور جگہ نہ چھوڑنا ہے۔ **(فیض الباری: ۲۳۶/۲)**

(۵) شارح ترمذی علامہ یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:

**”والحاصل أن المراد هو التسوية والإعتدال لكيلا يتأخر أو يتقدم فالمحاذاة بين المناكب وإلزاق الكعاب كنايةً عن التسوية“**

یعنی حاصل یہ کہ مراد تسویہ اور اعتدال ہے، تاکہ کوئی موخر اور مقدم نہ ہو، پس کاندھوں کے درمیان برابری اور ٹخنوں کا ملانا یہ تسویۂ صفوف سے کنایہ ہے۔ **(معارف السنن: ۲۹۸/۲)**

(۶) حضرت مفتی مہدی حسن صاحبؒ **”قلائد الأزهار شرح كتاب الآثار“** میں فرماتے ہیں:

**”بس الزاقِ منکب بالمنکب اور الزاق کعب بکعب ور کبہ بر کبہ وقدم بقدم اور محاذاتِ اعناق ومحاذاتِ مناکب“**

یہ تمام کی تمام ایک ہی معبر ومعنون کی تعبیرات ہیں اور وہ اعتدال وتسویہ اور مقاربہ اور آپس میں محاذات اور اتصال ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے، اور الزاقِ حقیقی کے معنی مراد نہیں ہیں اور کیسے مراد لے سکتے ہیں جبکہ گھٹنے سے گھٹنے کا ملانا متحقق ہی نہیں ہو سکتا، جیسا کہ مشاہدہ ہے، پس مراد محض محاذات ہے اور اور اس کا سوائے اس کے جس کو بصیرت نہ ہو انکار نہیں کر سکتا۔ **(قلائد الازہار: ۲/۶۷)**

شراح حدیث کی ان تشریحات سے واضح ہوا کہ قدم سے قدم یا کاندھے سے کاندھا ملانے سے مقصود صرف صفوں کی درستی وبرابری میں مبالغہ بیان کرنا ہے، اور اس کا حقیقی معنے مراد نہیں۔

**الزاقِ کعب کے حقیقی معنٰی مراد نہیں:**

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ:

(۱) حضرت نعمان بن بشیرؓ کی ایک روایت میں ”ٹخنے سے ٹخنہ“ ملانے کا ذکر ہے ، اور دوسری میں بجائے ٹخنہ کے ”پیر سے پیر“ ملانے کا ذکر ہے، اور اس کے ساتھ ہی ”کاندھے سے کاندھا“ ملانے کا بھی ذکر ہے۔

اور ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں کو جمع کرنا مشکل ہے کہ ٹخنے بھی ایک دوسرے سے ملیں اور کاندھے بھی، اسی لئے ٹخنے ملانے کی روایت پر اہل حدیث نہ عمل کرتے ہیں اور نہ عمل کر سکتے ہیں، البتہ پیر سے پیر ملانے کی روایت پر عمل کرتے ہیں، شاید یہ تاویل کرتے ہوں کہ ٹخنے ملانے سے مراد پیر ملانا ہی ہے مگر اسکے بجائے ان کو یہ تاویل کرنا چاہیے کہ اصل تو ٹخنے ملانا ہے اس کو قدم سے بھی تعبیر کر دیا گیا ہے۔

لہذا ٹخنے سے ٹخنے ملا کر کھڑا ہونا چاہیے، تاکہ دونوں روایات پر عمل ہو، مگر ٹخنے ملانے کا تو ذکر بھی نہیں کرتے، عمل تو بعد کی بات ہے۔

اسی طرح حضرت انسؓ کی روایت میں کاندھے ملانے کا بھی ذکر ہے، مگر اس کا اہل حدیث لوگ کوئی تذکرہ بھی نہیں کرتے، محض قدم ملانے کا ذکر کیا جاتا ہے۔ آخر کیوں؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ دونوں باتوں پر عمل مشکل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مراد اس کا حقیقی معنیٰ نہیں ہے، بلکہ صرف مبالغہ ہے۔

(۲) اس کے حقیقی معنیٰ مراد نہ ہونے پر "ابوداؤد" کی ایک حدیث اشارہ کرتی ہے، اس میں حضرت نعمان بن بشیرؓ ہی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

**"فرأيت الرجل يلزق منكبه بمنكب صاحبه وركبته بركبة صاحبه وكعبه بكعبه"**

یعنی میں نے دیکھا کہ آدمی اپنے کندھے کو اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنے گھٹنے کو اپنے ساتھی کے گھٹنے سے اور اپنے ٹخنے کو (اپنے ساتھی کے) ٹخنے سے ملاتا تھا۔ **(ابوداؤد: ۱/۹۷، سنن بیہقی: ۳/۱۴۳)**

امام ابن الملقنؒ **(م ۸۰۴ھ)** نے **"خلاصہ البدر المنیر"** میں ابن خزیمہ وابن حبان سے، امام ابن حجرؒ **(م ۸۵۲ھ)** نے "فتح الباری" میں، اور زرقانیؒ نے "شرح مؤطا" میں اس حدیث کی ابن خزیمہؒ سے تصحیح نقل کی ہے۔

**(خلاصۃ البدر المنیر: ۱/۲۸، فتح الباری: ۲/۲۱۱، زرقانی علی المؤطا: ۱/۴۵۲)**

اس حدیث میں کندھوں اور ٹخنوں کے ساتھ گھٹنوں کا بھی ذکر ہے، حالانکہ اس کو ملانے کا کوئی بھی قائل نہیں، کیا اہل حدیث لوگ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے کبھی گھٹنوں سے گھٹنے ملاتے ہیں؟

علامہ انور شاہ کشمیریؒ **(م ۱۳۵۳ھ)** نے فرمایا کہ خود غور کرو کہ کیا پیروں سے پیر ملانے کے ساتھ ساتھ کاندھے سے کاندھا ملانا بغیر مشقت کے ممکن بھی ہے؟ بلکہ کوشش کے بعد بھی ممکن نہیں ہے۔ **(فیض الباری: ۲/۲۳۷)**

غرض یہ کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ اور حضرت انسؓ کا مطلب اس سے یہ ہرگز نہیں کہ حقیقۃً پاؤں سے پاؤں اور کندھوں سے کندھا ملاتے تھے، بلکہ بتلانا مقصود ہے کہ درمیان میں حتی الامکان جگہ نہ چھوڑتے تھے اور سب کے سب مل کر ایسا کھڑے ہوتے کہ اگر تیر بھی پھینکا جائے تو دوسرے کونے میں کسی کو لگے بغیر پہنچ جاتا تھا؛ کیونکہ کوئی مقدم اور کوئی مؤخر

نہ ہوتا تھا، اگر اس کو حقیقت پر محمول کیا جائے تو ظاہر ہے کہ بلا مشقتِ شدید اس پر عمل کرنا ممکن نہیں اور تکلف و تصنع کے بغیر اس کو اپنانا خارج از امکان ہے؛

کیونکہ ایک طرف تو کندھوں کو ملانا اور پھر اس کے ساتھ ہی پیروں سے پیر اور ٹخنوں سے ٹخنے اور مزید گھٹنوں سے گھٹنے ملانا بڑا مشکل ہے، اسی لیے یہ حضرات اہلِ حدیث کندھوں والی بات کی طرف توجہ اور التفات ہی نہیں کرتے، اور نہ ٹخنوں و گھٹنوں والی بات کی طرف توجہ دیتے ہیں، صرف قدم ملانے کی طرف متوجہ اور اسی پر مصر ہیں۔

(۳)　حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

**"راصوا صفوفكم وقاربوا بينها وحاذوا بالأعناق"**

صفوف کو ملاؤ اور صفوف کو قریب قریب قائم کرو اور گردنوں کو برابر کرو۔ (کہ کوئی اوپر کوئی نیچے نہ ہو) **(نسائی شریف: ۱/۹۳، سنن بیہقی ۳/۱۴۲)**[13]

اس روایت میں گردنوں کو بھی برابر کرنے کا حکم خود رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے، تو کیا اس پر عمل ممکن بھی ہے کہ بڑی گردن والا اور چھوٹی گردن والا دونوں برابر ہو کر کھڑے ہو جائیں؟ معلوم ہوا کہ یہ محض تسویۂ صفوف اور اعتدالِ قائمین سے کنایہ ہے کہ سب برابر برابر کھڑے ہوں، کوئی آگے پیچھے نہ ہو، کوئی اونچ نیچ نہ ہو، تاکہ صفوفِ ملائکہ سے مکمل مشابہت ہو جائے، اور اسی کا مختلف احادیث میں حکم دیا گیا ہے مثلاً:

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ:

---

[13] اس حدیث کو حافظ ضیاء الدین مقدسیؒ (م ۶۴۳ھ)، حافظ عبد الرووف المناویؒ (م ۱۰۳۱ھ)، امام، حافظ، محدث اور فقیہ علی بن احمد العزیزیؒ (م ۱۰۷۰ھ) وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔ **(الاحادیث المختارۃ للمقدسی: ج۷: ص۴۱-۴۲، التیسیر بشرح الجامع الصغیر للمناوی: ج۲: ص۲۵، السراج المنیر شرح الجامع الصغیر فی حدیث البشیر النذیر: ج۳: ص۱۷۶)**، شیخ الالبانیؒ، سلفی شیخ **محمد بن علي الإثيوبي الوَلَّوِي** وغیرہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ **(سنن نسائی بتحقیق الالبانی: حدیث نمبر ۸۱۵، ذخیرۃ العقبی في شرح المجتبی: ج ۱۰: ص ۲۵۸)**

**"کان رسول اللہ ﷺ یمسح عواتقنا ویقول: استووا ولا تختلفوا"**

رسول اللہ ﷺ نماز میں ہمارے کندھوں کو چھوتے اور فرماتے کہ برابر کھڑے ہو، اور اختلاف نہ کرو۔ **(مسلم: ۱/۱۸۱، نسائی: ۱/۹۳)**

اور حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ:

**"کان رسول اللہ ﷺ یتخلل الصفوف من ناحیة إلیٰ ناحیة، یمسح مناکبنا وصدورنا، ویقول: لا تختلفوا فتختلف قلوبکم"**

رسول اللہ ﷺ صفوں کے درمیان ادھر سے ادھر جاتے اور ہمارے سینوں اور کندھوں کو چھوتے (یعنی برابر کرتے تھے) اور فرماتے اختلاف نہ کرو، کہ کہیں تمہارے دلوں میں اختلاف آ جائے۔ **(نسائی: ۱/۹۳)**[14]

ایک دوسری روایت میں حضرت نعمانؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو اس طرح سیدھا فرماتے گویا کہ آپ تیر (کا نشانہ) برابر کر رہے ہوں۔ **(مسلم: ۱/۱۸۲، سنن بیہقی: ۳/۱۴۳)**

ان تمام روایات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہو گا کہ مقصود صفوف کی درستی ہے، جس کو مختلف تعبیرات سے بیان کیا گیا ہے اور یہ سب بغرض تسویہ اور مبالغہ فی الاعتدال بیان فرمایا گیا ہے، اور صرف پیر ہی ملانا کوئی مقصود ہوتا تو نبی کریم ﷺ **"حاذوا بالاعناق"** کی طرح اس کو بھی بیان فرماتے، نیز آپ جب کاندھوں اور سینوں کو چھوتے ہوئے ان کو برابر فرما رہے تھے تو پیروں کو بھی ضرور ملاتے ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے جاتے کہ ان کو ملاؤ۔ **و إذ لیس فلیس۔**

---

[14] یہ حدیث صحیح ہے۔ شیخ البانیؒ، سلفی شیخ **محمد بن علي الإثيوبي الوَلَّوِي** وغیرہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ **(سنن نسائی بتحقیق الالبانی: حدیث نمبر ۸۱۱، ذخيرة العقبى في شرح المجتبى: ج ۱۰: ص ۲۴۱)**

حاصل یہ کہ مقصود ان تمام اصحاب کا تسویہ ٔصفوف کو بیان کرنا ہے، پیر کو ملانا یا کندھوں کو ملانا بیان کرنا مقصود نہیں ہے، اور یہ تعبیرات ہیں جو مبالغہ بیان کرنے کے لیے استعمال کی گئی ہیں۔ **ھذا ما عندنا و العلم عند اللہ العلام۔**

## دو پیروں کے درمیان کا فاصلہ

جب نماز میں کھڑے ہوں تو علماء حنفیہ نے لکھا ہے کہ دو پیروں کے درمیان چار انگل کا فاصلہ ہونا مستحب ہے، اس پر تنقید کرتے ہوئے مؤلف "حدیثِ نماز" نے لکھا ہے کہ:

" بعض کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ صف میں کھڑے ہو کر اپنے دونوں پاؤں کے درمیان صرف چار انگل کی جگہ رکھے، تو یہ بات عقل و نقل کے بالکل خلاف ہے، اور یہ بات نہ اللہ و رسول کی فرمودہ اور نہ صحابہ ٔکرام کی اختیار کردہ، اور نہ کسی امام کی بیان کردہ، بلکہ اس قدر بے اعتناء ہے کہ اس کی سند اور دلیل روئے زمین پر کہیں موجود نہیں ہے "۔ **(حدیثِ نماز: ص ۵۶)**

راقم عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ مؤلفِ "حدیثِ نماز" کا یہ دعویٰ کہ یہ عقل و نقل کے خلاف ہے، مبنی علی الجہالۃ، بے بنیاد اور خلافِ تحقیق بات ہے، نیز حقائق سے عدمِ واقفیت اور ظاہر پرستی کا تباہ کن نتیجہ ہے، اس لئے ہم یہاں پر بعون اللہ تعالیٰ ناظرین کے سامنے چند سطور لکھ کر مسئلہ کی اصل نوعیت کو واشگاف کریں گے۔

### چار انگل سے تحدید مراد نہیں :

سب سے پہلے یہ بات ملحوظ رکھنا چاہیے کہ احناف کے یہاں دونوں قدم کے درمیان چار انگل کا فاصلہ جو بیان کیا گیا ہے اس سے تحدید مراد نہیں ہے، خود احناف کی کتابوں میں اس تصریح موجود ہے، علامہ بنّوریؒ نے لکھا کہ:

" حق یہ ہے کہ قدمین کے درمیان فصل میں کوئی تحدید نہیں ہے "۔ **(معارف السنن: ۲/۲۹۸)**

اسکے علاوہ احناف کا عمل خواہ علماء کا ہو یا غیر علماء کا، یہ بتلاتا ہے کہ مراد تحدید نہیں، کوئی بھی اس تحدید کو حقیقت پر محمول نہیں کرتا، رہے بعض جہلاء ان کا تو کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی ان سے مذہبِ احناف پر کوئی حرف آسکتا ہے۔

اب رہا یہ کہ کتابوں میں اس کی قید کیوں لگائی گئی ؟ تو اصل بات یہ ہے کہ آدمی کو بے تکلف کھڑے ہونے میں کم وبیش چار انگل کا فاصل کافی ہوتا ہے، اور اگر کسی کو بے تکلف کھڑے ہونے کے لئے اس سے زیادہ فاصلہ کا تقاضا ہو تو اس کی بلا کسی کراہت کے اجازت ہے،

تو اصل یہ ہے کہ آدمی بے تکلف اور بلا تصنع کھڑا ہو سکے، اور چونکہ معمولی ڈیل ڈول والوں کے لئے عموماً چار انگل کا فاصلہ کافی ہوتا ہے، اسی لئے اس کو ذکر کیا گیا ہے، ورنہ اس سے تحدید مراد نہیں ہے، اور اس کے بیان کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کہ کم علمی کی بناء پر ایسے معاملات میں متردد و پریشان رہتے ہیں، تو ان جیسے لوگوں کی سہولت کی غرض سے ایسے احکام لکھ دیے جاتے ہیں جن کا ماخذ قرآن وحدیث ہی ہوتا ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ چار انگل کی تحدید نہیں ہے، بلکہ کم وبیش اتنی مقدار مراد ہے، تو یہ بات واضح ہو گئی کہ مؤلفِ "حدیثِ نماز" اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکے جس کو ہم نے اوپر حقائق سے عدمِ واقفیت اور ظاہر پرستی سے تعبیر کیا تھا، اس تحدید کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے استنجاء میں تین ڈھیلے لینے کا حکم فرمایا۔

اس سے فرقہ ظاہریہ نے یہ سمجھا کہ تین کا عدد خاص طور سے مراد ہے، اور احناف نے اس کی حقیقت اور اصلیت کو پہچان کر کہا کہ مراد تحدید نہیں بلکہ مراد استنزاہ وصفائی ہے، خواہ وہ دو ڈھیلوں سے حاصل ہو جائے یا تین سے، یا اس سے زائد سے، مگر چونکہ عموماً تین عدد ڈھیلوں سے حاجت پوری ہو جاتی ہے، اس لیے حدیث میں تین کا ذکر فرمادیا۔

اسی طرح یہاں فقہاء کے کلام میں چار انگل سے تحدید مراد نہیں، بلکہ انسان کی ہیئت طبعی کا اندازہ لگا کر بتایا گیا ہے کہ دو پیروں کے درمیان چار انگل کا فاصل ہونا چاہیے، اور اس ہیئتِ طبعی وحالتِ وضعی کو خشوع وخضوع میں دخل ہے؛ کیونکہ اس کے خلاف میں تکلف اور تصنع ہے جو کہ خشوع میں خلل ڈالتا ہے۔

اور اتنی بات احادیث سے ثابت ہے کہ قیام میں حالتِ وضع کو باقی رکھنا چاہیے، چنانچہ:

(۱) حضرت عبد اللہ بن الزبیرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

**" صَفُّ الْقَدَمَيْنِ وَوَضْعُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى مِنَ السُّنَّةِ "۔**

یعنی پیروں کو ملا کر رکھنا اور دائیں ہاتھ کو (نماز میں) بائیں پر رکھنا سنت ہے۔ **(ابو داؤد: ۱/ ۱۱۰)**[15]

(۲) حضرت ابن مسعودؓ کے صاحبزادے حضرت ابو عبیدہ تابعیؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی کو حضرت عبد اللہ نے نماز میں دونوں پیروں کو ملائے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ:

**"خَالَفَ السُّنَّةَ وَلَوْ رَاوحَ بينهما كان أفضل"**

اس نے سنت کی مخالفت کی، اگر یہ مراوحہ کرتا تو افضل تھا کہ دونوں کو ملا کر نہ کھڑا ہوتا اور آرام سے بلا تکلف کھڑا ہوتا، دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اگر مراوحہ کرتا تو مجھے زیادہ اچھا معلوم ہوتا۔ **(نسائی شریف: ۱/ ۱۰۳)**[16]

---

[15] اس روایت کے تمام رواۃ ثقہ یا صدوق ہیں، امام نوویؒ (م ۶۷۶ھ) اس سند کو حسن اور امام ابن الملقنؒ (م ۸۰۴ھ) اس سند کو جید کہتے ہیں۔ (**خلاصۃ الاحکام للنووی: ج۱: ص۳۵۷، البدر المنیر لابن الملقن: ج۳: ص۵۱۲**) شیخ البانیؒ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہوئے کہا کہ "**هذا إسناد ضعيف أيضا, زرعة هذا لم يرو عنه إلا اثنان: العلاء هذا أحدهما, ولم يوثقه غير ابن حبان والعلاء بن صالح ثقة في حفظه ضعف**"۔ (**ارواء الغليل: ج۲: ص۷۴**)، لیکن دوسرے سلفی علماء نے مثلاً شیخ زبیر علی زئی نے کہا کہ اس کی سند حسن ہے اور زرعہ الکوفی سے ۲ ثقہ راویوں نے روایت کی ہے، اور ان کو ابن حبانؒ، ذہبیؒ اور ضیاء الدین مقدسیؒ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ (**سنن ابی داود: تحقیق زبیر علی زئی: حدیث نمبر ۷۵۴**) اسی طرح ایک اور سلفی شیخ **محمد بن علي الإثيوبي الوَلَّوِي** نے بھی کہا: کہ "**رجال هذا الإسناد ثقات، وزرعة، وإن قال في التقريب: مقبول، لكنه وثقه ابن حبان، وقال الذهبي في "الكاشف": ثقة. فالظاهر أن الحديث صحيح، وإن ضعفه بعضهم. والله تعالى أعلم**"۔ (**ذخيرة العقبى في شرح المجتبى: ج ۱۱: ص ۳۲۵**) اور **العلاء بن صالح** کی جمہور ائمہ کی توثیق کی ہے۔ لہذا یہ حدیث حسن ہے۔

[16] اس روایت کے بھی تمام رواۃ ثقہ یا صدوق ہیں، جیسا کہ سلفی شیخ **محمد بن علي الإثيوبي الوَلَّوِي** نے ثابت کیا ہے۔ (**ذخيرة العقبى في شرح المجتبى: ج ۱۱: ص ۳۲۰**) مگر شیخ اِثیوبی نے کہا کہ اس کی سند منقطع ہے، کیونکہ ابو عبیدہ کا سماع ان کے والد سے ثابت نہیں ہے،

یہ دونوں روایتیں اگرچہ موقوف ہیں، مگر دونوں ہی بحکمِ مرفوع ہیں؛ کیونکہ صحابی کا لفظ سنت کہنا مرفوع ہونے کی دلیل ہوتا ہے، چنانچہ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

**" وأما إذا قال الصحابی: أمرنا بكذا أو نهينا عن كذا أو من السنة كذا، فكله مرفوع على المذهب الصحيح الذی قاله الجمهور من أصحاب الفنون"۔**

یعنی جب صحابی یوں کہے کہ ہم کو اس کا حکم دیا گیا، یا اس سے روکا گیا، یا سنت میں سے یہ ہے، تو یہ سب کا سب، صحیح مذہب کے اعتبار سے مرفوع ہے جس کے جمہور اہلِ فن قائل ہیں۔ **(مقدمہ شرح مسلم: ج۱ : ص۱۷)**

اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی " **شرح النخبة: ۸۳**" میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

اور حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں ان سے روایت کرنے والے حضرت ابو عبیدہؒ ہیں، ان کے بارے میں محدثین نے کہا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ سے ان کا سماع ثابت نہیں، چنانچہ امام ترمذیؒ نے " **باب ماجاء فی الرجل تفوته الصلوات بأيتهن يبدأ** " اور **"باب ماجاء فی مقدار القعود فی الركعتين الأوليين"** میں فرمایا: **"إن أبا عبيدة لم يسمع من أبيه"** اسی طرح امام طحاویؒ نے بھی **"وضو بالنبیذ"** کے مسئلہ میں اس کی صراحت کی ہے۔

**(سنن ترمذی: ۱/۴۳ و ۱/۸۵)(شرح معانی الآثار للطحاوی: ۱/۷۵)**

مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کا سماع " طبرانی " کی ایک روایت سے صراحت کے ساتھ ثابت ہے، جس میں انہوں **"سَمِعَ"** کے لفظ سے اپنے والد سے سننا بیان کیا ہے، علامہ بدر الدین العینیؒ نے " **عمدۃ القاری شرح بخاری**" میں ان لوگوں کا رد کرتے ہوئے جو ابو عبیدہ کے اپنے والد سے سماع نہ ہونے کے قائل ہیں، لکھا ہے کہ: یہ قول مردود ہے،

---

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا سماع ابن مسعودؓ سے ثابت ہے، البتہ بعض ائمہ نے **"ابو عبيدة عن ابن مسعود"** کی سند کو منقطع تسلیم کیا، مگر اس سند سے مروی حدیث کو جید و مضبوط قرار دیا ہے، جس کی تفصیل **ص:۴۶** پر موجود ہے۔ لہذا اس اعتراض سے حدیث کو نقصان نہیں، یہی وجہ ہے کہ امام نسائیؒ **(م ۳۰۳ھ)** نے بھی کہا کہ: **"أبو عبيدة لم يسمع من أبيه و الحديث جيد"** ابو عبیدہ کا ان کے والد سے سماع نہیں، (لیکن) حدیث مضبوط ہے۔ **(السنن الکبری للنسائی: ج۱: ص۴۶۴)**

پھر ''معجم اوسط طبرانی'' کی روایت اور ''مستدرک حاکم'' کی روایت کے حوالے سے سماع ثابت کیا ہے، نیز آگے چل کر فرمایا کہ سماع نہ ہونے کی کوئی وجہ بھی نہیں؛ کیونکہ حضرت عبد اللہؓ کی وفات کے وقت ان کی عمر سات برس کی تھی، اور سات برس کا بچہ جب غیروں واجنبیوں سے سماع کر سکتا ہے تو خود اپنے باپ سے کیوں نہیں کر سکتا؟۔

**(عمدۃ القاری: ۴۲۹/۲ – ۴۳۰)**

لہذا حضرت ابن مسعودؓ سے ان کا سماع محقق ہے، اور یہ حدیث منقطع نہیں بلکہ متصل ہے۔[17]

غور کیجئے کہ ان روایات میں سے ایک میں **''صف القدم''** یعنی پیروں کے ملانے کو سنت کہا گیا ہے، اور دوسری روایت میں **''صف القدم''** ہی کو خلافِ سنت بتلایا گیا ہے، اور دونوں میں اگرچہ لفظاً تعارض معلوم ہوتا ہے مگر حقیقتاً کوئی تعارض نہیں ہے؛ کیونکہ پہلی روایت میں صفِ قدم سے مراد زیادہ کشادہ کرنے کی نفی ہے اور دوسری روایت میں صفِ قدم سے مراد زیادہ ملانے کی نفی ہے، اور دوسری روایت میں ''**خَالَفَ السُّنَّۃَ وَلَوْ رَاوحَ بینهما کان أفضل**'' کے الفاظ اس مراد پر صریح دلالت کر رہے ہیں؛ کیونکہ زیادہ ملانے میں بھی راحت نہیں بلکہ کلفت ہے اور زیادہ کشادہ کرنے میں بھی کلفت ومشقت ہے، تو مطلب دونوں روایات کا یہ ہے کہ اعتدال کے ساتھ جو صورت بلا تکلف وتصنع حاصل ہوتی ہے، اس پر قائم رہنا سنت ہے جو کہ مراوحہ ہے۔

## مراوحہ کی تفسیر:

مراوحہ کے معنیٰ اہل لغت نے یہ لکھے ہیں کہ: ''کبھی اس قدم پر کھڑے ہونا اور کبھی دوسرے پر کھڑے ہونا''۔ **(لسان العرب: ۴۵۵/۲، القاموس المحیط: ۲۸۲/۱)**

اور علامہ کشمیریؒ نے اس کے معنیٰ **''تفریج بین القدمین''** (دو قدموں کے درمیان فاصلہ رکھنا) بیان کئے ہیں۔ **(فیض الباری: ۲۳۷/۲)**

---

[17] دیکھئے ص:۴۶۔

راقم کہتا ہے کہ **"روِح: بکسر العین"** کے معنیٰ کشادہ ہونے کے ہیں، اس سے " مراوحہ " بمعنیٰ کشادہ کرنا ہے اور اس کی تائید سیاقِ کلام سے بھی ہوتی ہے، چونکہ "صف بمعنیٰ ضم" کے مقابلہ میں مراوحہ بولنا اس کے بمعنیٰ " تفریج " ہونے کی تائید کرتا ہے۔ واللہ اعلم

نیز " مصنف عبد الرزاق " میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا بھی یہی طریقہ بتایا گیا ہے، چنانچہ حضرت ابن جریج کہتے ہیں کہ مجھے حضرت نافع نے بتایا کہ:

**"إن ابن عمر كان لا يفرسخ بينهما ولا يمس إحداهما الأخرىٰ وقال بين ذلك"**

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ قدموں کو کشادہ نہیں رکھتے تھے اور نہ ان میں سے ایک کو دوسرے سے مس کرتے تھے، فرمایا کہ ان کے درمیانی شکل ہوتی تھی۔ **(مصنف عبد الرزاق: ۲/۲۶۴)**[18]

نیز، ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے نماز میں دونوں قدموں کو ملانے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ:

**"أما هكذا حتى تماس بينهما فلا، ولكن وسطاً بين ذلك"**

اس طرح کہ دونوں قدم مس ہو جائیں، ایسا نہیں لیکن درمیانی صورت ہو۔ **(مصنف عبد الرزاق: ۲/۲۶۴)**[19]

حاصل یہ ہے کہ ان روایات میں قدموں کو زیادہ ملانے اور زیادہ کشادہ رکھنے کو خلافِ سنت کہا گیا ہے، لہذا معتدل طریقہ اختیار کرنا چاہیے، اور یہ بات چونکہ عموماً چار انگل سے یا کم و بیش سے حاصل ہو جاتی ہے، اس لیے اس کا ذکر فقہاء نے کیا ہے۔

---

[18] اس کی سند صحیح ہے۔ امام عبد الرزاق صنعانیؒ **(م ۲۱۱ھ)**، امام ابن جریجؒ **(م ۱۵۰ھ)**، امام نافع مولی ابن عمرؒ **(م ۱۱۷ھ)** وغیرہ مشہور ائمہ ثقات ہیں۔

[19] اس کی سند بھی صحیح ہے۔ امام عبد الرزاق الصنعانیؒ **(م ۲۱۱ھ)**، امام ابن جریجؒ **(م ۱۵۰ھ)**، امام عطاء بن ابی رباحؒ **(م ۱۱۴ھ)** وغیرہ مشہور ثقہ رواۃ ہیں۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے فقہاء کرام نے غسل کے تین فرائض بیان کئے ہیں، ایک کلی کرنا، دوسرے ناک میں پانی ڈالنا، اور تیسرے سارے بدن پر پانی بہانا، حالانکہ یہ تعبیر نہ قرآن میں آئی ہے اور نہ حدیث میں، مگر اس کے باوجود اس کو بے دلیل نہیں کہہ سکتے؛ کیونکہ یہ دراصل قرآن میں بیان کردہ حکم: "**وإن کنتم جنباً فاطهروا**"۔ (**المائدۃ:۶**) کی ایک دوسری تعبیر ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ غسل میں خوب اچھی طرح پاک ہو جاؤ، اور یہ پاکی اس طرح ہو گی کہ جہاں تک بدن میں پانی پہنچایا جاسکتا ہے وہاں تک پانی پہنچاؤ، لہذا فقہاء نے اندازہ لگایا اور فرمایا کہ تین فرض ہیں اور بعض نے اعضاء کو الگ الگ شمار اور فرائض کی تعداد اس سے زیادہ بتائی، یہ سب دراصل اسی حکم خداوندی کی مختلف تعبیرات ہیں، ان کو بے دلیل نہیں کہا جاسکتا۔

اسی طرح زیر بحث مسئلہ میں فقہاء کا یہ کہنا کہ چار انگل کا فاصلہ ہونا چاہیے، حدیث ہی کی ایک آسان تعبیر ہے اس کو بے دلیل کہنا، اسلوب بیان سے ناواقفیت ہے۔

اس سے بخوبی واضح ہو گیا کہ یہ بات بطریقِ عقل بھی اور بطریقِ نقل بھی ثابت ہے، بطریق نقل تو ابھی مذکور ہوا، رہا بطریقِ عقل تو اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس طرح بلا تکلف کھڑے ہونے میں خشوع وخضوع جو کہ مقصود اعظم ہے، حاصل ہوتا ہے، اس کے خلاف کرنے میں خشوع وخضوع میں خلل ہوتا ہے۔

لہذا اس نظریۂ عقلی سے بھی اس کی تائید ہو گئی اور ساتھ ہی مؤلف کا بے بنیاد دعویٰ باطل ہو گیا۔ **واللہ أعلم وعلمه أتمّ** ۔[20]

---

[20] **نماز میں پاؤں زیادہ پھیلانے ٹخنے سے ٹخنہ ملانے کی مذمت:**

(۱) مشہور سلفی عالم شیخ محمد بن صالح العثیمینؒ (م ۱۴۲۱ھ) سے سوال کیا گیا:

**سئل فضيلته: يوجد جماعة يفرجون بين أرجلهم في الصلاة قدر ذراع، فقال لهم أحد الجماعة لو تقربون أرجلكم حتى يكون بين الرجلين بسطة كف اليد لكان أحسن، فردوا عليه بقولهم: إنك راد للحق لأن فعلنا هذا قد أمر به الرسول صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، آمل منك جزاك الله خيراً أن توضح لنا هذه المسألة توضيحاً وافياً؟**

**فأجاب بقوله: التفريج بين الرجلين إذا كان يؤدي إلى فرجة في الصف، بحيث يكون ما بين الرجل وصاحبه منفتحاً من فوق فإنه مكروه لما يلزم عليه من مخالفة أمر النبي صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بالتراص؛ ولأنه يفتح فرجة تدخل منها الشياطين.**

**وكان بعض الناس يفعله أخذاً مما رواه البخاري عن أنس بن مالك - رضي الله عنه - أنه قال: "وكان أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه"، وهذا معناه: تحقيق المحاذاة والمراصة، والإنسان إذا فرج بين قدميه بمقدار ذراع سوف ينفتح ما بين المنكبين مع صاحبه، فيكون الفاعل مخالفاً لما ذكره أنس - رضي الله عنه - عن فعل الصحابة رضي الله عنهم.**

**وأما قول من يفرج: إن هذا قد أمر به النبي صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فالنبي صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إنما أمر بالمحاذاة فقال: "أقيموا الصفوف، وحاذوا بين المناكب، وسدوا الخلل، ولا تذروا فرجات الشيطان، ومن وصل صفاً وصله الله، ومن قطع صفاً قطعه الله". ولم يقل: "فرجوا بين أرجلكم"، ولم يقل: "ألزقوا المنكب بالمنكب والقدم بالقدم"، ولكن الصحابة - رضي الله عنهم - كانوا يفعلونه تحقيقاً للمحاذاة ولكن إذا لزم من إلزاق الكعب بالكعب انفراج ما بين المنكبين صار وقوعاً فيما نهى عنه النبي صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ من فرج الشيطان.**

**وأما قول أحد الجماعة خلوا بين أرجلكم بسطة كف فلا أعلم له أصلاً من السنة، والله أعلم.**

شیخ سے پوچھا گیا: ایک جماعت ہے جو نماز میں اپنے پیروں کے درمیان آدھے گز (تقریباً ڈیڑھ فٹ) کا فاصلہ رکھتی ہے، تو ان سے جماعت میں سے ایک شخص نے کہا: اگر تم پیروں کو قریب کرلو، یہاں تک کہ دونوں پیروں کے درمیان ہتھیلی جتنا فاصلہ رہے تو زیادہ اچھا ہوگا، تو انہوں نے اسے یہ کہہ کر جواب دیا کہ: تم حق بات کو رد کر رہے ہو، اس لئے کہ ہم جو کر رہے ہیں اس کا حکم خود جناب رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے، میں آپ سے امید کرتا ہوں کہ اس مسئلہ کی مکمل وضاحت فرمادیں گے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

شیخ نے جواب میں کہا: دونوں پیروں کے درمیان جگہ چھوڑنا اگر صف میں جگہ خالی رہنے کا سبب بنے، اس طور پر کہ وہ شخص اپنے بازو والے سے اوپر سے (یعنی پیر تو جڑا ہو مگر دونوں کے کندھوں کے درمیان فاصلہ ہو) تو یہ مکروہ ہے، اس لئے کہ اس کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کے حکم " ایک دوسرے سے مل کر کھڑے رہو " کی مخالفت لازم آتی ہے، اس لئے کہ وہ ایسی کشادگی پیدا کر رہا ہے جس میں شیاطین داخل ہوتے ہیں۔

<u>بعض لوگ امام بخاریؒ کی روایت کردہ حضرت انسؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا اور پیر سے پیر ملاتے تھے، اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کے برابر اور مل مل کر کھڑے رہنے کا اہتمام کرنا ہے، جب انسان دونوں پیروں کے درمیان آدھے گز کا فاصلہ رکھے گا تو ہو سکتا ہے کہ دونوں کندھوں کے درمیان جگہ خالی رہے، تو ایسا کرنے والا، حضرت انسؓ کے بیان کردہ عمل صحابہؓ کی خود مخالفت کرنے والا ہوگا۔</u>

جو لوگ پیر چوڑے کرتے ہیں، ان کا یہ کہنا کہ نبی ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے، تو نبی ﷺ نے تو ایک دوسرے کے برابر میں کھڑے ہونے کا حکم فرمایا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: صفوں کو ٹھیک کرو، کندھوں کو ایک دوسرے کے برابر رکھو، خالی جگہوں کو پر کرو، شیطان کیلئے خالی جگہ نہ چھوڑو، جو صف کو جوڑے کا اللہ اس سے جوڑے گا، اور جو صف کو توڑے گا اللہ اس سے توڑے گا، آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ: اپنے پیرون کے درمیان کشادگی رکھو، اور نہ آپ نے یہ فرمایا کہ کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملاؤ، لیکن برابری کے اہتمام میں صحابہؓ ایسا کرتے تھے، لیکن جب ٹخنے سے ٹخنے کو ملانے کی وجہ سے دونوں کندھوں کے درمیان جگہ پیدا ہو جائے تو وہ اس چیز میں پڑھ جائے گا جس سے نبی اکرم ﷺ نے منع کیا ہے، یعنی شیطان کیلئے خالی جگہ چھوڑنا۔

اور جماعت میں سے ایک صاحب کا یہ کہنا دونوں پیروں کے درمیان ہتھیلی کے برابر جگہ چھوڑو، تو سنت میں مجھے اس کی کوئی دلیل نہیں معلوم۔ واللہ اعلم)۔(**مجموع فتاوی ورسائل فضیلة الشیخ محمد بن صالح العثیمین: ج۱۳: ص۲۸-۲۹)**

ایک اور مقام پر شیخ نے "**کعبہ بکعب**" کی حدیث کے بارے میں کہا: "**لیس یدل علی أنك تفتح القدمین حتی تلصقها بکعب أخیك**" (یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ آپ دونوں پیروں کو کھولیں تا کہ اپنے ساتھی کے ٹخنے سے چپکا دیں)۔( **تعلیقات ابن عثیمین علی الکافي لابن قدامة: ج۲: ص۱۹)**

(۲) ایک اور مشہور سلفی، امام عبد العزیز بن عبد اللہ بن بازؒ (م ۱۴۲۰ھ) سے پوچھا گیا:

**مسألة في حکم المبالغة في التفریج بین القدمین۔**

**س: نلاحظ أن بعض الناس یبالغ في الفتحة ما بین القدمین حتی إنه یؤذي من بجانبه۔**

**ج: ینبغي لکل مصل ألا یؤذي جاره، وأن یحرص علی سد الخلل من دون إیذاء، کل واحد یطلب من أخیه أن یقرب حتی یلزق قدمه بقدمه بدون محاکة ولا إیذاء، المقصود سد الخلل، فلا یفشج ویباعد بین رجلیه ویؤذي جیرانه، ولا یمتنع الجیران من القرب منه، بل کل واحد یقرب من أخیه ویسد الخلل، کما أمر بهذا النبي علیه الصلاة والسلام، فإنه قال: سدوا الفرج، وقال أنس رضي الله عنه: «کان أحدنا یلصق قدمه بقدم صاحبه فینبغي لك یا عبد الله أن تلاحظ سد الخلل وسد الفرج من دون أن تؤذي جیرانك بالفشج، وهو کذلك جارك یحرص علی أن یستقیم في وقفته وفي موضع قدمیه؛ حتی یأخذ سد الخلل من دون الإیذاء من کل واحد لجاره۔**

دونوں پیر پھیلانے میں مبالغہ کرنے کا بیان:

**سوال:** ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ دونوں پیر کھولنے میں مبالغہ کرتے ہیں یہاں تک کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف دیتے ہیں۔

**جواب:** ہر مصلی کیلئے یہ ضروری ہے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے، اور تکلیف دیئے بغیر خالی جگہ کو پر کرنے کا اہتمام کرے، ہر شخص اپنے بھائی سے کہے کہ وہ اس سے قریب ہو تا کہ بغیر چپکے اور ایذا کے دونوں کے پیر مل جائیں، مقصود خلل کو پر کرنا ہے،

جیسا کہ نبی ﷺ نے اس کا حکم فرمایا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: خالی جگہوں کو پر کرو، اور انسؓ فرماتے ہیں: ہم میں سے ایک دوسرے کے پیر سے پیر ملاتا تھا، اللہ کے بندے! مناسب یہ ہے کہ پیر چوڑا کر کے اپنے پڑوسی کو تکلیف پہنچائے بغیر خلل کو بند کرنے اور خالی جگہ کو پر کرنے کا اہتمام کیا جائے، اسی طرح آپ کا پڑوسی بھی ٹھیک سے کھڑے ہونے اور صحیح طریقہ سے پیر رکھنے کا خیال رکھے، تاکہ پڑوسی کو تکلیف پہنچائے بغیر خالی جگہیں پر ہو جائے)۔ **(فتاوی نور علی الدرب: ج۱۲: ص۲۳۵)**

(۳) اسی طرح جامع ازھر کے مفتی عطیہ سقر نے کہا: **قیام میں دونوں قدموں کے درمیان بہت فاصلہ کرنا عرفاً فتیح اور بُرا ہے۔ آگے مفتی صاحب نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔** مفتی صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

**''التفريج بين الأقدام بمسافة كبيرة تتفاحش عرفا كما يقول المالكية والحنابلة، وتزيد على الشبر كما يقول الشافعية وعلى الأصابع الأربعة كما يقول الحنفية، وذلك مكروه''۔ (فتاوی دار الإفتاء المصرية: ج ۹: ص ۸۶، احسن الكلام فی الفتاوی والاحكام المعروف فتاوی مفتی عطیہ صقر: ج۳: ص۳۲۳)**

(۴) نیز مشہور سعودی دار الافتاء میں کئی سلفی اور کبار سعودی علماء، مثلاً شیخ صالح بن فوزان،

(۵) شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن محمد آل الشیخ،

(۶) شیخ عبد اللہ بن غدیان،

(۷) شیخ ابو زید بکر وغیرہ نے بھی کہا: '' **لا تفريجا كثيرا بين رجليه بل يكون معتدلا** '' **دونوں قدموں کے درمیان بہت فاصلہ نہیں کرنا چاہئے**، بلکہ ان کو معتدل حالت میں رکھنا چاہئے۔ **(فتاوی اللجنة الدائمة- المجموعة الثانية-: ج۵: ص۳۵۷)**

(۸) ایک اور سعودی سلفی عالم شیخ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن جبرین کہتے ہیں: **''أيضاً نلاحظ أن بعضهم يُفرج بين قدميه إذا قام فيترك بين قدميه نحو ذراع أو أكثر، فيكون بذلك متسبباً في وجود فرجة بينه وبين الآخر، فيكون هناك تفريج كبير بين الأقدام، وقصده من ذلك العمل بظاهر الحديث، وهو إلصاق الكعب بالكعب، فنقول: لا يلزم الالتماس، ولكن التقارب هو المطلوب فقط، فإذا حصل التقارب لم يحصل هذا التفرق، ولا الفرج ولا الاختلال''۔**

نیز ہم دیکھتے ہیں کہ **بعض لوگ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو اپنے پیروں کے درمیان فاصلہ رکھتے ہیں، یہاں تک کہ دونوں پیروں کے درمیان آدھا گز یا اس سے بھی زیادہ کا فاصلہ رکھتے ہیں، اس کی وجہ سے وہ اپنے اور دوسرے کے درمیان خالی جگہ کا سبب بنتا ہے، پس پیروں کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہوتا ہے، اور اس کا مقصد ظاہر حدیث پر عمل کرنا ہوتا ہے، اور وہ (ظاہر حدیث) ٹخنے سے ٹخنے کو چپکانا ہے، ہمارا کہنا ہے کہ ایک دوسرے سے مس کرنا لازم نہیں ہے، بلکہ بس ایک دوسرے کے قریب**

**ہونا ہی مطلوب ہے،** لہذا جب دونوں (کے پیر) ایک دوسرے کے قریب ہوجائیں تو نہ تفرقہ رکھے گا، نہ خالی جگہ، نہ خلل۔
**(شرح عمدۃ الاحکام لابن جبرین: ج۱۲: ص۶)**

(۹) شیخ عبد الکریم الخضیر سعودی، سلفی عالم حدیث **"کعبه بکعب"** کے بارے میں کہتے ہیں کہ **"ليس معنى هذا أنه إذا كان بينك وبين أخيك فرجة أو خلل أن تمد رجلك وهو يمد رجله إلى أن يصل بعضكم إلى بعض، ما هو بالحل في سد الخلل وسد هذه الفرج أن الإنسان يمد رجليه ويباعد ما بينهما حتى يصل إلى رجل أخيه لا؛ لأنه إذا حصلت المحاذاة بالأقدام في هذه الصورة لم تحصل المحاذاة بالمناكب، والمطلوب المحاذاة بالمناكب والأقدام، فالإنسان عليه أن يأخذ من الصف بقدر جسمه لتتم المحاذاة، وإلا إذا فحج بين رجليه ومد وباعد ما بينهما الفرج موجودة، ولا يتم امتثال المحاذاة محاذاة الرجلين فقط، بل لا بد أن تكون المحاذاة بالأقدام وبالمناكب أيضاً، وبعض الناس يحرص على تطبيق السنة ويؤذي الناس برجليه، وبعض الناس لا يحتمل مثل هذه التصرفات، بعضهم يصير حساس، قد يترك الصلاة إذا مست رجله، بعض الناس حساس، فالإنسان يختبر جاره إذا كان يترتب على تطبيق هذه السنة محظور أعظم يترك هذا، يترك بينه وبينه فرجة يسيرة جداً بحيث لا تكون خلل في الصف، ولا يؤثر على صلاة أخيه، ولا شك أن الالتصاق بين الصفوف والتراص أمر مطلوب، لكن بحيث لا يترتب عليه أثر أشد منه"**۔

**اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ جب تمہارے اور بغل والے کے درمیان فاصلہ یا خلل ہو تو تم بھی پیر چوڑے کرو، اور وہ بھی پیر چوڑے کرے، یہاں تک کہ تم ایک دوسرے سے مل جاؤ، تو خالی جگہ کو پر کرنے کا یہ حل نہیں ہے کہ انسان اپنے پیر پھیلائے اور انہیں چوڑا کرے تاکہ دوسرے کے پیر تک پہنچ جائے، یہ حل نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں اگر پیر ایک دوسرے کے برابر ہو بھی جائیں تک بھی کندھوں کے درمیان برابری نہیں ہوگی، حالانکہ مطلوب یہ ہے کہ پیر اور کندھے دونوں میں محاذات وبرابری ہو،** پس انسان کو اپنے جسم کے بقدر جگہ میں کھڑے ہونا چاہیے تاکہ پوری طرح ایک دوسرے کے برابر ہوں، ورنہ پیروں کو پھیلائے گا، چوڑے کرے گا، ان کے درمیان خالی جگہ موجود ہوگی تو برابری کے حکم پر عمل نہ ہوگا، (اس میں) صرف پیروں کا محاذات ہو رہا ہے، حالانکہ پیر اور کندھے دونوں کی برابری ضروری ہے، بعض لوگ سنت پر عمل کرنے کی چاہت میں اپنے پیروں سے لوگوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں، حالانکہ بعض لوگ اس طرح کی حرکتوں کو برداشت نہیں کرتے، بعض لوگ حساس مزاج کے ہوتے ہیں، اگر ان پیر سے مس ہوگا تو ہوسکتا ہے وہ نماز ہی کو چھوڑ دے، بعض لوگ حساس ہوتے ہیں، پس انسان اپنے پڑوسی کو دیکھ لے، اگر اس سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے کوئی بڑا مسئلہ پیش آرہا ہے تو اسے چھوڑ دے، اور اپنے اور اپنے پڑوسی کے پیر کے درمیان ہلکا سا فاصلہ رکھے، اس طور پر کہ صف میں خلل نہ ہو اور نہ اپنے بھائی کی نماز پر اثر انداز ہو، بے شک صفوں میں جوڑ اور مل کر کھڑے رہنا مطلوب چیز ہے، مگر جبکہ اس پر کوئی بڑا مسئلہ مرتب نہ ہوتا ہو۔
**(شرح موطا للخضیر: ج۲۵: ص۱۷)**

(۱۰) غیر مقلد، اہل حدیث مبلغ، ابو زید ضمیر صاحب کہتے ہیں:

"دوسری بات یہ کہ دونوں پاؤں نماز میں، دونوں پاؤں پھیلانا یہ کوئی نیکی نہیں ہے، بلکہ یہ خلافِ اصل ہے، حدیث میں کیا ہے، اللہ کے نبی ﷺ کیا فرماتے؟ **"استووا"** آج بھی آپ دیکھیں ائمہ، بہت سارے علماء کہتے ہیں: **"استووا"** ٹھیک ٹھیک کھڑے رہو، **"واعتدلوا"** اعتدال کے ساتھ کھڑے رہو، بیلنس کھڑے رہو، یہ نہیں کہ پاؤں پھیلا کے آدمی کھڑے رہ رہا، بے چارہ ایک آدمی ثواب مل جاتا، پہلی صف میں وہ بھی آجاتا، اس کی بھی جگہ پر قبضہ کر کے پاؤں پھیلا کے ٹھہرا ہے، کیا ضرورت ہے اس کو، قبضہ کرنے آیا مسجد میں، گھر میں جگہ نہیں تیرے، کیوں آرہا یہاں پہ، تو اس طرح سے پاؤں پھیلا کے ٹھہرنا، کندھوں کے ملنے میں رکاوٹ ہے، کندھے ملنا چاہیے کہ نہیں؟ کندھے ہی ملنا چاہیے، اب پاؤں پھیلاؤ گے تو رکوع میں کیسے جاؤ گے، ویسے ہی؟ رکوع میں بیلنس نہیں رہ جائے گا آپ کا، لوگ کیا کرتے ہیں، رکوع میں پاؤں سمیٹ لیتے ہیں، پھر صف سے قدم نہیں مل رہے ہیں آپ کے، تو آپ ایسا کچھ مت کرو جو ہماری دعوت کیلئے تنقید کا ذریعہ بنے، وہی کام کرو جو ثابت ہے، بہت سے لوگ آتے ہیں، بہت سے لوگ تنقید کرتے ہیں، دیوبندی ہیں یا دوسری مسجدوں میں جو ہمارے بھائی جاتے ہیں وہ لوگ دیکھتے ہیں، یہ آئے ایک دم پاؤں پھیلائے، ہاتھ ایسا، سر بھی ایسا، وہ لوگ خود کہتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ یہ نماز پڑھنے کیلئے نہیں کشتی لڑنے کیلئے آئے ہیں، اور واقعی لگتا بھی ایسا ہی ہے دیکھ کے اس کو، ایک دم تکبر کے ساتھ، پاؤں پھیلا کے، ہے کوئی تمہاری مسجد میں بتاؤ، تو ایسا نہیں کرنا چاہیے، ہم ادب سے ٹھہریں، اللہ کے سامنے کھڑا ہے بھائی، ڈرے وہ کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہوں، اللہ رب العالمین کے سامنے کھڑا ہوں، وہ ان کی ٹکر میں کھڑا رہتا ہے، ہے کوئی رفع الیدین کو روکنے والا، تو ایسا نہیں ہونا چاہیے، ہم اللہ کیلئے نماز پڑھ رہے ہیں، کسی کی ضد سے نہیں پڑھ رہے ہیں"۔

دیکھئے ان کا ویڈیو:

https://youtu.be/OBgZELJKFM8

(۱۱) اہلحدیث حضرات کے مجتہد العصر مولانا عبد اللہ روپڑی صاحب لکھتے ہیں بعض لوگ قدم زیادہ چوڑے کر کے کھڑے ہوتے ہیں جس سے کندھے نہیں ملتے وہ غلطی کرتے ہیں، کیونکہ اس حدیث میں جیسے قدم ملانے کا ذکر ہے کندھے ملانے کا بھی ذکر ہے۔ **(فتاوی علماء حدیث: ج۱: ص۲۱)**

معلوم ہوا کہ خود سلفی واہلحدیث علماء نماز میں پیر زیادہ پھیلانے اور ٹخنے سے ٹخنے کو ملانے کی مذمت کرتے ہوئے اس سے منع کر چکے ہیں، لہذا قرآن وحدیث کو اسلاف کے فہم سے سمجھنے کا دعوی کرنے والوں سے گزارش ہے کہ وہ حدیث **"کعبہ بکعب"** کے تحت

## ابو عبیدہؒ (م ۸۰ھ) کا اپنے والد عبد اللہ بن مسعودؓ (م ۳۳ھ) سے سماع ثابت ہے۔

**- مولانا نذیر الدین قاسمی**

ائمہ کی ایک جماعت کے نزدیک ابو عبیدہؒ (م ۸۰ھ) نے اپنے والد عبد اللہ بن مسعودؓ (م ۳۳ھ) سے نہیں سنا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ابو عبیدہؒ سے سوال کیا گیا کہ **"هل تذكر من عبد الله شيئا؟ قال: لا"** **کیا آپ کو عبد اللہؓ کی کوئی بات یاد ہے؟؟** تو آپؒ نے کہا: نہیں۔ **(سنن ترمذی: تحت حدیث نمبر ۱۷)**

لیکن راجح بات یہ ہے کہ ابو عبیدہؒ (م ۸۰ھ) کا سماع اپنے والد عبد اللہ بن مسعودؓ (م ۳۳ھ) سے ثابت ہے، چنانچہ:

(۱) امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) کہتے ہیں کہ:

**قَالَ مُسْلِم نا أبان عَنْ قتادة عَنْ أَبِي عُبَيْدة أَنَّهُ فِيما سأل أباه عَنْ بيض الحمام فقَالَ صوم يوم۔**

قتادہؒ، ابو عبیدہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد صاحب سے کبوتر کا انڈا (توڑ دینے کے کفارے کے میں) پوچھا، تو آپؓ نے فرمایا ایک دن کا روزہ ہے۔ **(التاریخ الکبیر للبخاری: ج ۹: ص ۵۲)**

اس روایت کے تمام روات ثقہ ہیں، البتہ قتادہ بن دعامہؒ (م ۱۱۸ھ) مدلس ہیں، لیکن شواہد کی وجہ سے ان پر اس روایت میں تدلیس کا الزام مردود ہے۔

(۲) امام طبرانیؒ (م ۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

---

اسلاف کا فہم پیش کریں کہ اسلاف نماز میں ٹخنے سے ٹخنے کو ملاتے تھے ورنہ خود اپنے علماء کی نصیحت کو قبول کر لیں کہ نماز میں ٹخنے سے ٹخنے کو ملانا سنت نہیں ہے۔

**حدثنا محمد بن سعيد بن كساء الواسطي، ثنا أحمد بن يحيى الجلاب، ثنا يحيى بن السكن، ثنا شعبة، ثنا عتبة أبو العميس، عن مسلم البطين، عن أبي عبيدة، قال: كان عبد الله يأتي عليه السنة لا يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، فحدث يوما ونحن عنده، فقال: نحو هذا أو قريب من هذا۔**

(مسلم البطین ابو عبیدہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ پورا سال گزر جاتا مگر حضرت عبد اللہ (ابن مسعودؓ)، رسول اللہ ﷺ کے حوالہ سے ایک حدیث بھی بیان نہ فرماتے، تو ایک دن ہم آپ کے پاس تھے، آپؓ نے حدیث بیان کی، تو فرمایا اسی طرح یا اس سے قریب)۔ (**المعجم الکبیر للطبرانی: ج۹: ص ۱۳۰، حدیث نمبر ۸۶۱۴**)

اس روایت کے رواۃ کی تحقیق یہ ہے:

i- امام طبرانیؒ (**م ۳۶۰ھ**) مشہور ثقہ، حافظ الحدیث ہیں۔ (**تاریخ الاسلام للذہبی**)

ii- **محمد** بن احمد بن سعید ابو عبد اللہ کساء الواسطیؒ صدوق ہیں۔

امام ابو بکر الاسماعیلیؒ (**م ۳۷۱ھ**) نے ان سے کتاب "**المعجم في أسامي شيوخ**" میں روایت لی ہے، اور وہ صرف اپنے نزدیک ثقہ سے روایت کرتے ہیں، جیسا کہ غیر مقلد عالم شیخ ابو الحسن **السیلمانی** نے وضاحت فرمائی ہے، لہذا وہ صدوق ہیں۔ (**تاریخ الاسلام: ج۶: ص ۱۰۳۱، اتحاف النبیل: ج۲: ص ۸۵**، نیز دیکھئے **ارشاد القاصی والدانی للمنصوری: ص ۴۹۲**)

iii- احمد بن یحیی الجلابؒ (**م ۲۵۳ھ**) بھی ثقہ ہیں۔ (**تاریخ الاسلام: ج۶: ص ۳۸، الثقات للقاسم: ج۲: ص ۱۳۰**)

**نوٹ:**

**المعجم الکبیر للطبرانی: ج۹: ص ۱۳۰، حدیث نمبر ۸۶۱۴** کے مطبوعہ نسخہ میں احمد بن یحیی الجلابؒ کے بجائے احمد بن یحیی **الحلاب**ؒ (ح کے ساتھ) آگیا ہے، جو کہ کاتب کی غلطی ہے، قارئین سے گزارش ہے کہ اسے نوٹ کر لیں۔

iv- یحیی بن سکن بصریؒ (م۲۰۲؁ھ) کے بارے میں تفصیل یہ ہے:

امام ابن حبانؒ (م۳۵۴؁ھ) نے ان کو **'الثقات'** میں شمار کیا ہے۔(**ج۹:ص۲۵۳**) اور ان سے اپنی صحیح میں بھی روایت لی ہے۔(**صحیح ابن حبان : حدیث نمبر ۳۳۹۱**)، امام احمد بن حنبلؒ (م۲۴۱؁ھ) نے بھی آپؒ سے روایت لی ہے۔(**التاریخ الکبیر للبخاری: ج۸: ص ۲۸۰**) اور آپؒ اپنے نزدیک صرف ثقہ سے روایت لیتے تھے، جیسا کہ غیر مقلدین کا مذہب ہے۔(**نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام : ص ۳۴،انوار البدر : ص۱۸۲**) نیز حافظ مرتضی الزبیدیؒ (م۱۲۰۵؁ھ) نے ان کو صدوق کہا ہے۔(**تخریج احیاء:ج۱:ص۵۵۴**)

یحیی بن سکن بصریؒ (م۲۰۲؁ھ) کی حدیثوں کو امام ابن حبانؒ (م۳۵۴؁ھ)، امام ابو حفص ابن شاہینؒ (م۳۸۵؁ھ)، امام ضیاء الدین مقدسیؒ (م۶۴۳؁ھ) حافظ ابن کثیرؒ (م۷۷۴؁ھ) امام بصیریؒ (م۸۴۰؁ھ) امام ابو عبد اللہ الجورقانیؒ (م۵۴۳؁ھ)، امام ابو جعفر محمد بن جریر طبریؒ (م۳۱۰؁ھ) وغیرہ نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے۔(**الاحادیث المختارۃ: ج۱: ص۴۰۰، ج۲: ص۱۲۰، مسند الفاروق: ج۱: ص۳۷۶، ت امام، اتحاف الخیرۃ المھرۃ: ج۲: ص۱۰۹، نزھۃ الألباب في قول الترمذي «وفي الباب» للصنعانی: ج۲: ص۷۴۹، الاباطیل و المناکیر للجورقانی: ج۲: ص۳۶۲، تھذیب الآثار:- الجزء المفقود-: ص۴۰۷**) اور کسی حدیث کی تصحیح و تحسین اس حدیث کے ہر ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے، جیسا کہ غیر مقلدین کا اصول ہے۔(**مجلہ الاجماع: ش۴: ص۲**) یعنی ان ائمہ کے نزدیک یحیی بن سکنؒ کم از کم صدوق ہیں۔

دوسری طرف ان پر ابو حاتم الرازیؒ، دار قطنیؒ، صالح بن محمد الحافظؒ وغیرہ نے جرح کی ہے، جن میں سے اکثر غیر مفسر ہے، جو کہ غیر مقلدین کے اصول کے مطابق مقبول نہیں۔(**الاجماع: ش۲: ص۱۷۸-۱۷۹**) ابو الولید نے کہا کہ یحییؒ جھوٹ بولتے ہیں، لیکن ابو الولیدؒ غیر متعین راوی ہیں۔ واللہ اعلم

خلاصہ یہ کہ یحییؒ صدوق ہیں، جیسا کہ حافظ الحدیث، امام مرتضی الزبیدیؒ (م۱۲۰۵؁ھ) نے فرمایا۔

v- شعبہ بن حجاجؒ (م۱۶۰؁ھ) ثقہ، حافظ، متقن اور امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔(**تقریب: رقم ۲۷۹۰**)

vi - عتبۃ ابو العمیس الکوفیؒ صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۴۴۳۲)**

vii - ابو عبد اللہ مسلم بطینؒ بھی صحیحین کے راوی اور ثقہ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۶۶۳۸)**

viii - ابو عبیدۃ بن عبد اللہ بن مسعودؒ بھی ثقہ راوی ہیں۔ **(تقریب: رقم ۸۲۳۱)**

ix- عبد اللہ بن مسعودؓ مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ سند حسن درجہ کی ہے۔

(۳) امام طبرانیؒ **(م ۳۶۰ھ)** فرماتے ہیں:

**حدثنا مفضل بن محمد الجندي، ثنا علي بن زياد اللحجي، أبو قرة، قال: ذكر زمعة، عن زياد بن سعد، عن أبي الزبير، حدثني يونس بن خباب الكوفي، قال: سمعت أبا عبيدة بن عبد الله بن مسعود، يذكر أنه سمع عبد الله بن مسعود، يقول: إنه كان مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفر إلى مكةَ۔۔۔۔۔۔**

یونس بن خبابؒ کہتے ہیں میں نے ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعودؒ کو سنا، وہ بیان کر رہے تھے کہ انہوں نے عبد اللہ بن مسعودؓ کو کہتے ہوئے سنا کہ وہ مکہ کے سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ **(المعجم الاوسط للطبرانی: ج۹: ص۸۱، حدیث نمبر ۹۱۸۹)**

اس روایت کے تمام رواۃ ثقہ یا صدوق ہیں، مگر زمعۃ بن صالح الجندیؒ میں ضعف ہے۔ **(تقریب: رقم ۲۰۳۵)** لیکن امام مسلم نے ان سے مقروناً روایت لی ہے، لہذا متابعات کی صورت میں مقبول ہیں۔

یاد رہے کہ یونس بن خباب الکوفی صدوق ہیں۔ **(تقریب: رقم ۷۹۰۳)** ان پر جرح، عثمانؓ پر شتم کرنے کی وجہ سے ہوئی، جیسا کہ امام ساجیؒ **(م ۳۰۷ھ)** نے کہا ہے۔ **(تہذیب التہذیب: ج۱۱: ص۴۳۸)**

(۴) امام ابن ابی حاتمؒ **(م ۳۲۷ھ)** کہتے ہیں:

**فإن عبد الواحد بن زياد روى عَن أبي مالك الاشجعي، عن عَبد الله بن أَبي هنيد، عَن أبي عُبَيدة، قال: خرجت مع أبي لصلاة الصبح۔**

ابو عبیدہؒ سے مروی ہے کہ میں اپنے والد صاحبؓ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھنے کیلئے گیا۔ **(المراسیل لابن ابی حاتم: ص ۲۵۶)**

امام ابن ابی حاتمؒ **(م ۳۲۷ھ)** نے اس روایت کو معلقاً ذکر کیا اور ان کے والد نے کہا کہ میں عبد اللہ بن ابی **ھنید** کو نہیں جانتا، لیکن متابعات میں قابل ذکر ہیں۔

(۵) امام شعبہؒ **(م ۱۶۰ھ)** نے کہا کہ جب ان کے والد ابن مسعودؓ کی وفات ہوئی، تو وہ سات (۷) سال کے تھے۔ **(المراسیل لابن ابی حاتم: ص ۲۵۶، واسنادہ صحیح)** اور سات (۷) سال کا لڑکا سماع اور روایت کی حفاظت، دونوں کر سکتا ہے، جس کا اقرار سلفی عالم شیخ ابو اسحاق الحوینی کر چکے ہیں۔ **( النافلة في الأحاديث الضعيفة والباطلة : ص ۲۶-۳۱)**

(۶) ابو عبیدۃ بن عبد اللہ بن مسعودؒ **(م ۸۰ھ)** کے چھوٹے بھائی عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن مسعودؒ **(م ۷۹ھ)** کے بارے میں ائمہ تسلیم کر چکے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد سے سماع کیا ہے اور عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن مسعودؒ **(م ۷۹ھ)** کی عمر، ان کے والد کی وفات کے وقت چھ (۶) سال تھی۔ **(تقریب: رقم ۳۲۹۴، طبقات المدلسین: ص ۸۰، تہذیب التہذیب)** جب کہ ابو عبیدۃ بن عبد اللہ بن مسعودؒ **(م ۸۰ھ)** کی عمر سات (۷) سال تھی، جیسا کہ گزر چکا۔

لہذا جب والد سے چھوٹے بھائی اور چھوٹے بیٹے کا سماع ثابت ہے، تو بڑے بھائی اور بڑے بیٹے کا سماع کیوں کر ثابت نہیں ہو سکتا، خاص طور سے جب کہ سماع کی تصریح کی روایات موجود ہیں۔

غالباً انہی وجوہات کی بنیاد پر امام بدر الدین العینیؒ **(م ۸۵۵ھ)** کہتے ہیں کہ "**أما قول هذا القائل لكون أبي عبيدة لم يسمع من أبيه فمردود**" جہاں تک کہ اس قائل کی یہ بات ہے کہ ابو عبیدہ نے اپنے والد سے نہیں سنا، تو یہ مردود ہے۔ **(عمدۃ القاری: ج ۲: ص ۳۰۲)**

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ **"واختلف في سماعه من أبيه والاكثر على أنه لم يسمع منه وثبت له لقاؤه وسماع كلامه"** ان کے اپنے والدؓ سے سماع میں اختلاف ہے، اکثر اس طرف ہیں کہ انہوں نے اپنے والد سے سماع حدیث تو نہیں کی، البتہ ان سے ملاقات اور ان کی بات سننا ثابت ہے۔ **(طبقات المدلسین: صفحہ ۴۸، رقم الترجمہ ۱۱۶)**

امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے بھی تسلیم کیا ہے کہ **"روى عن أبيه شيئا، وأرسل عنه أشياء"** ابو عبیدہؒ نے کچھ چیزیں اپنے والد سے سنی ہیں اور بہت سی چیزیں ان سے ارسالاً بیان کی ہیں۔ **(سیر: ج ۴: ص ۳۶۳)**

اور امام مزیؒ (م ۷۴۲ھ) اور امام ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) کے شاگرد امام، سراج الدین **البلقینی**ؒ (م ۸۰۵ھ) کہتے ہیں:

**"فان قيل كيف احتج به الشافعي وهو منقطع وقد قال عمرو بن مرة: سالته هل تذكر من عبد الله شيئا؟ قال: لا۔ فالجواب: انه اذا لم ينقل فى ذلك خلاف كان ذلك عاضدا للخبر۔۔۔۔على ان ابا داود روى انه مات عبد الله بن مسعود وابو عبيدة ابن سبع سنين؛ فسماعه ممكن؛ وتحمل رواية عمرو بن مرة على شيئ خاص"۔**

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام شافعیؒ نے اس سے کیسے استدلال کیا وہ تو منقطع ہے، عمرو بن مرةؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا: کیا آپ کو عبد اللہؓ کی کوئی بات یاد ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جب اس باب میں کوئی اختلاف منقول نہیں ہے، تو یہ (اتفاق) اس حدیث کا مؤید ہو گا، علاوہ ازیں ابو داؤدؒ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ (ابن مسعودؓ) کی وفات کے وقت ابو عبیدہؒ سات سال کے تھے، لہذا ان کا سماع ممکن ہے، اور عمرو بن مرة کی روایت کوئی خاص چیز پر محمول کی جائے گی۔ **(التعليق على كتاب الام، طبع مع كتاب الام: ج ۱: ص ۱۲۱، ت محمد زهری)**

اور رہا ابو عبیدةؒ (م ۸۰ھ) کا اپنے والد کی بعض باتوں کو بذریعہ ارسال نقل کرنا، جیسا کہ ذہبیؒ کے حوالہ سے گزرا، تو ائمہ جرح و تعدیل اور ائمہ علل نے ان کی ارسال کی ہوئی روایات کو بھی دو (۲) وجوہات کی بناء پر قبول کیا ہے۔

(۱) ابو عبیدةؒ (م ۸۰ھ) عبد اللہ بن مسعودؓ کے علم، کلام اور مذہب کی معرفت رکھتے تھے، جیسا کہ ماہر علم الرجال، حافظ الحدیث، ثقہ و ثبت، امام ابو جعفر الطحاویؒ (م ۳۲۱ھ)، وغیرہ نے فرمایا ہے اور امام سخاویؒ (م ۹۰۲ھ) نے بھی ان کی

تائید فرمائی ہے۔(**فتح المغیث: ج۱: ص۱۷۷، شرح معانی الاثار: ج۱: ص۹۵، التمہید لابن عبد البر: ج۲۴: ص۲۹۳**)
امام یعقوب بن شیبہ السدوسیؒ (م۲۶۲ھ) نے بھی یہی بات فرمائی ہے، جس کا حوالہ آگے آرہا ہے۔

(۲) ابو عبیدہؒ (م۸۰ھ) نے ثقہ رواۃ سے عبد اللہ بن مسعودؓ کی احادیث روایت کی ہے، یہی وجہ ہے کہ امام العلل، امام علی بن المدینیؒ (م۲۳۴ھ)، امام یعقوب بن شیبہ السدوسیؒ (م۲۶۲ھ)، حافظ ابن رجبؒ (م۷۹۵ھ) وغیرہ نے "**ابو عبیدۃ عن ابن مسعود**" کی حدیثوں کو غیر منکر، صحیح بلکہ **ثبت** قرار دیا ہے۔(**شرح علل ترمذی لابن رجب: ج۱: ص۵۴۴، فتح الباری لابن رجب: ج۷: ص۳۴۲، ج۷: ص۱۷۴، ج۸: ص۳۵۰**)، حافظ المغرب ابن عبد البرؒ (م۴۶۳ھ) نے بھی اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں: "**روى عن أبيه وقد اختلف في سماعه منه وأجمعوا على أنه ثقة في كل ما رواه**"۔(**الاستغناء في معرفة المشهورين من حملة العلم بالكنى لابن عبد البر: ج۲: ص۸۱۰**، نیز دیکھئے **التمہید لابن عبد البر: ج۲۴: ص۲۹۳**) امام ابو عبد الرحمٰن النسائیؒ (م۳۰۳ھ) بھی نے کہا: "**أبو عبيدة لم يسمع من أبيه والحديث جيد**"۔(**السنن الکبری للنسائی: ج۱: ص۴۶۴**)

لہذا راجح قول یہی ہے کہ "**ابو عبیدۃ عن ابن مسعود**" کی سند کی حدیثیں صحیح اور **ثبت** ہیں۔ واللہ اعلم